اُردُو کی تیسری کتاب

تیسری جماعت کے لیے

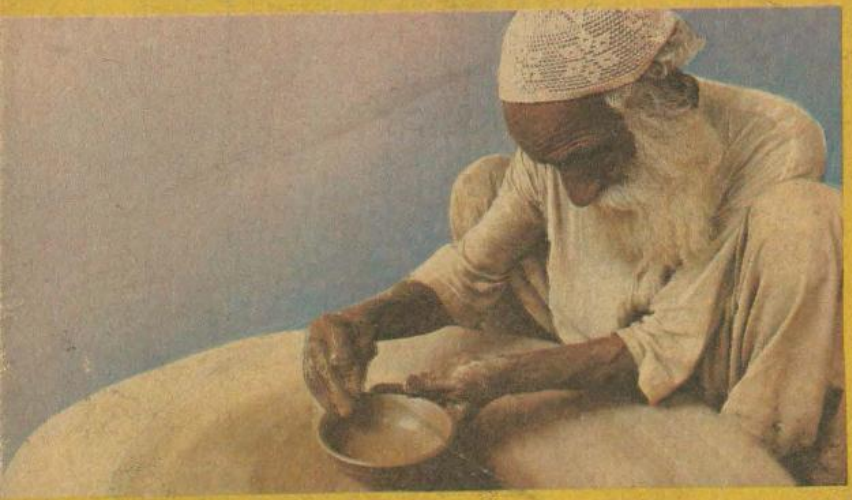

پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

جملہ حقوق بحق پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، محفوظ ہیں

تیار کردہ: پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور
منظور کردہ: قومی ریویو کمیٹی، وفاقی وزارتِ تعلیم، حکومتِ پاکستان

مُصنّفین:

پروفیسر سیّد وقار عظیم (مرحوم)
ڈاکٹر اصغر علی شیخ
مرزا مقبول بیگ بدخشانی
نذیر احمد آثم (مرحوم)
محمد اسحٰق جلالپوری

نگران:
راجا رشید محمود

لے آؤٹ: شاہنواز

فنی معاونت / پروسیسنگ: نقوش پریس، لاہور

خطاط: عبدالمتین
آرٹسٹ: صادق اقبال

ناشر: ظفر بک سٹال شیخوپورہ

مطبع: حامد جمیل پرنٹرز ریگن روڈ لاہور

میرا نام ---------- ہے
اب میں تیسری جماعت میں ہوں۔
یہ میری اُردُو کی کتاب ہے
آئیے دیکھیں اِس کتاب میں
کون سا سبق کس صفحے پر ہے

نمبر شمار			
1	حمد	(نظم)	3
2	نعت	(نظم)	4
3	ہمارا پرچم		6
4	کچھوا اور خرگوش		8
5	کام کرنا عبادت ہے		11
6	پَن چکّی	(نظم)	13
7	گفتگو کے آداب		15
8	حضرت ابُوبکر صِدّیق رضؓ		18
9	چھٹّی کا دِن		20
10	کھانے کے آداب		23
11	قائدِ اعظمؒ	(نظم)	26
12	بُلبُل اور چیونٹی		28

نمبر شمار		صفحہ
13	کُمھار	30
14	قوم کی ماں	33
15	دُودھ کے دانت	35
16	صُبح کی آمد (نظم)	38
17	حضرت میاں میرؒ	40
18	اِسلامی مُساوات	43
19	اپنا اپنا شوق	47
20	اَشرف کا باغ (نظم)	50
21	تُرکی	52
22	مُطالعے کا شوق	55
23	سویا ہُوا محل (1)	58
24	سویا ہُوا محل (2)	61
25	ساری دُنیا اپنا گھر (نظم)	64
26	بچّوں کا عالمی دِن	65
27	عزیز بھٹی شہید	68
28	زمین کی دَولت	72
29	دانے کی کہانی	75
30	نعت (نظم)	78
31	سچّا وعدہ	79
32	ہَوائی جہاز کا سَفر	83
33	ہمارا وطن (نظم)	87
34	چاند گاڑی (1)	88
35	چاند گاڑی (2)	92
36	برسات (نظم)	95
37	بہادُر مائیں	96
38	آگ کی کہانی	99
39	حضرت بابا فریدؒ	104
40	منگلا کی کہانی	107
41	نیک بنو نیکی پھیلاؤ (نظم)	110
42	کہانی لکھیے	112

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حمد

سبھی کچھ خُدا کا بنایا ہُوا ہے
یہ گُلشن اُسی کا لگایا ہُوا ہے
یہ خُوش رنگ پھُول اور پھل پیارے پیارے
یہ دِن اور سُورَج، یہ چاند اور تارے
یہ آگ اور مٹّی ، ہَوا اور پانی
سبھی کچھ خُدا ہی کی ہے مہربانی
ہر اِک شَے پہ میرے خُدا کی نظر ہے
وُہ سب جانتا ہے اُسے سب خبر ہے
اُجالا ہو یا چھا رَہا ہو اندھیرا
ہے اُس کی نظر میں ہر اِک کام میرا
نگہبان اِنسان و حیوان کا ہے
وُہ جاں دار و بے جاں سب کا خُدا ہے

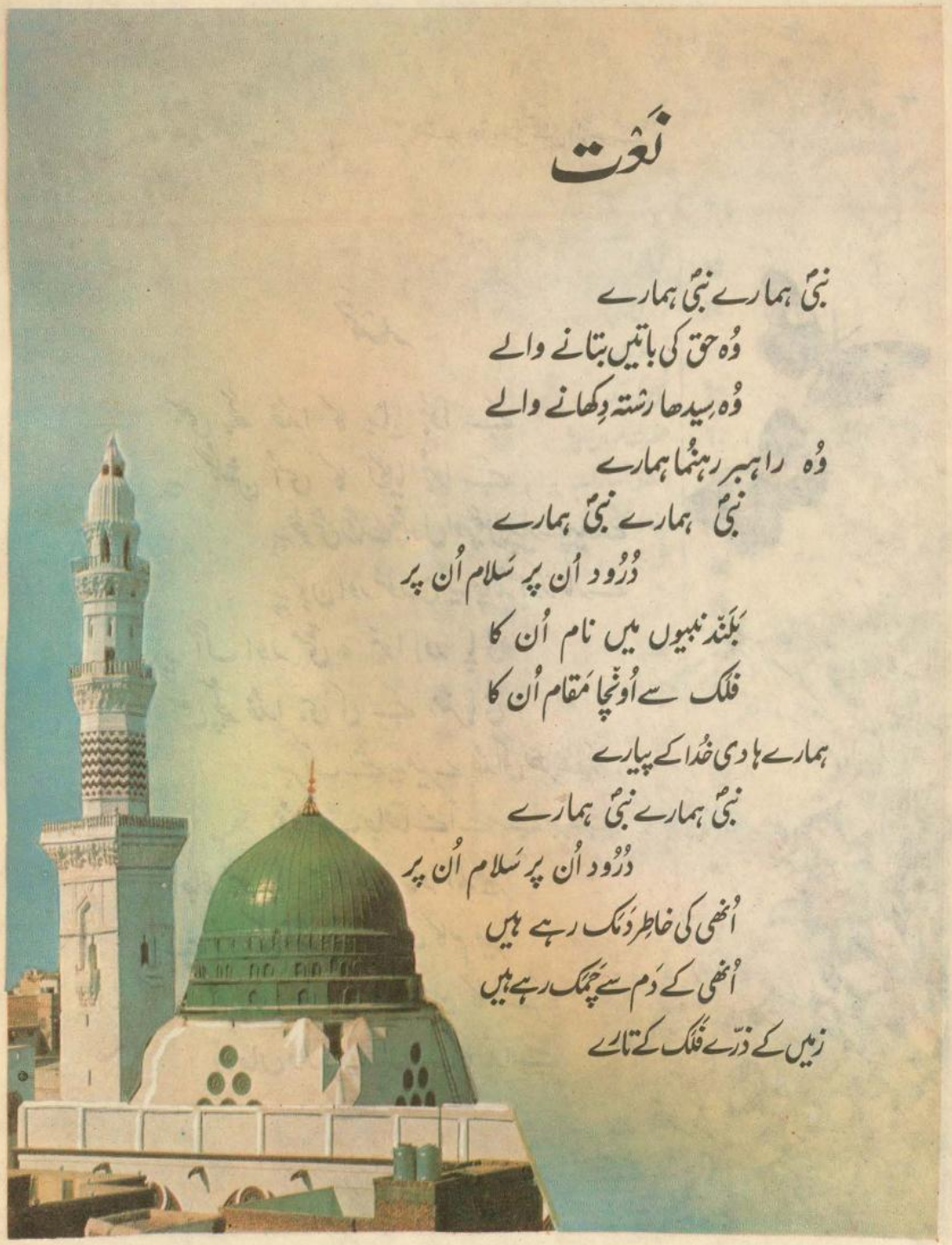

نعت

نبیؐ ہمارے نبیؐ ہمارے
وُہ حق کی باتیں بتانے والے
وُہ سیدھا رستہ دِکھانے والے
وُہ راہبر رہنُما ہمارے
نبیؐ ہمارے نبیؐ ہمارے
دُرُود اُن پر سَلام اُن پر

بَلَند نبیوں میں نام اُن کا
فلک سے اُونچا مَقام اُن کا
ہمارے ہادی خُدا کے پیارے
نبیؐ ہمارے نبیؐ ہمارے
دُرُود اُن پر سَلام اُن پر

اُنھی کی خاطِر دَمک رہے ہیں
اُنھی کے دَم سے چمک رہے ہیں
زمیں کے ذرّے فلک کے تارے

نبیؐ ہمارے نبیؐ ہمارے
دُرُود اُن پر سَلام اُن پر
اُنھی کی سرکار کے گدا ہیں
اُنھی کے دربار کے گدا ہیں
جہاں کے یہ تاجدار سارے
نبیؐ ہمارے نبیؐ ہمارے
دُرُود اُن پر سلام اُن پر
وُہ پیشواؤں کے پیشوا ہیں
وُہ رَہنُماؤں کے رَہنُما ہیں
وُہ سب سہاروں کے ہیں سہارے
نبیؐ ہمارے نبیؐ ہمارے
دُرُود اُن پر سَلام اُن پر

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَ سَلَّمْ

اُن پر اور اُن کی آل پر اَللہ کا دُرُود اور سَلام ہو۔

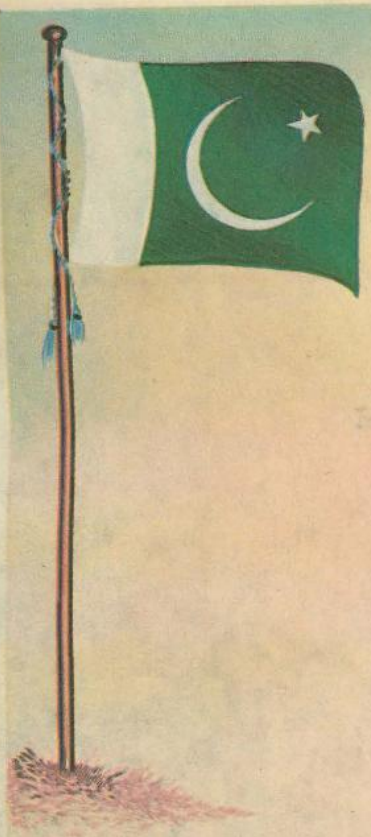

ہمارا پرچم

خالد نے اپنی کتاب کھولی۔ اُس میں پاکستانی پرچم کی ایک تصویر تھی۔ ایک فوجی اِس پرچم کو سلامی دے رہا تھا۔ خالد نے سوچا یہ فوجی، پرچم کو سلامی کیوں دے رہا ہے؟ وُہ تھوڑی دیر سوچتا رہا۔ پھر اپنے ابّا کے پاس آیا اور اُن سے کہا:

ابّا جان! یہ فوجی جھنڈے کو سلام کیوں کر رہا ہے؟

ابّا جان: بیٹا! ہمارا پرچم پاکستان کا نشان ہے۔ پاکستان کی عزّت کا نشان ہے۔ پرچم کو سلامی دینے والا دِل میں عہد کرتا ہے کہ وُہ پرچم کی ہمیشہ عزّت کرے گا۔ ضرورت پڑے تو اس کی حفاظت کے لیے اپنی جان بھی قربان کر دے گا۔

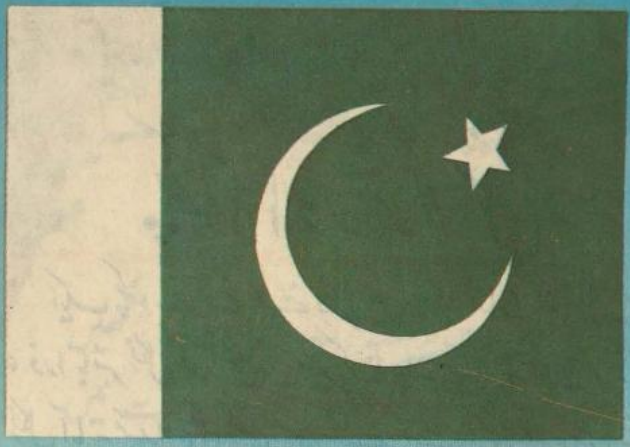

خالد : ابّا جان! ہمارے پرچم کا رنگ سبز کیوں ہے ؟

اَبّا جان : بھئی سبز رنگ مُسلمانوں کا نشان ہے ۔

خالد : ابّا جان! اس کا کچھ حصّہ سفید بھی ہے ، یہ کیوں ؟

اَبّا جان : پاکستان میں مُسلمانوں کے ساتھ ساتھ ایسے لوگ بھی بستے ہیں جو مُسلمان نہیں ۔ سفید رنگ اُن کا نشان ہے ۔

خالد : ابّا جان ! جھنڈے پر یہ چاند تارا کیوں ہے ؟

اَبّا جان : چاند تارا روشنی کا نشان ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہمارے مُلک کو چاند تاروں کی طرح رَوشن اور ہمارے پرچم کو ہمیشہ اُونچا رکھّے ۔

خالد : آمین !

کچھوا اور خرگوش

ایک کچھوے نے اپنے دِل میں سوچا ساری عُمر پانی میں رہتے گزُر گئی ، ذرا باہر نِکل کر خُشکی کی سَیر کرنا چاہیے - یہ سوچ کر وُہ پانی سے باہر نِکل آیا - مَیدان کی کھُلی ہَوا اُسے بَہُت اچھّی لگی - اُس نے مَیدان میں سَیر شرُوع کر دی - کچھوا آہِستہ آہِستہ چلا جا رہا تھا کہ راستے میں اُسے ایک خرگوش مِلا - خَرگوش نے کچھوے کو دیکھا تو بَہُت ہنسا - کچھوے نے خرگوش سے پُوچھا "کیوں بھائی! ہنس کیوں رہے ہو ؟" خرگوش بولا "پُوچھتے ہو کہ کیوں ہنس رہا ہُوں ؟ تُم ذرا اپنی چال تو دیکھو - رینگ رینگ کر چل رہے ہو - بس یہی دیکھ کر مُجھے ہنسی آگئی "

کچھوا بولا " بھائی! تُم نے ٹھیک کہا مَیں واقعی رینگ رینگ کر چلتا ہُوں - کیا کروں میری چال ہی اَیسی ہَے - مگر تُم اپنی حالت تو دیکھو - چلتے

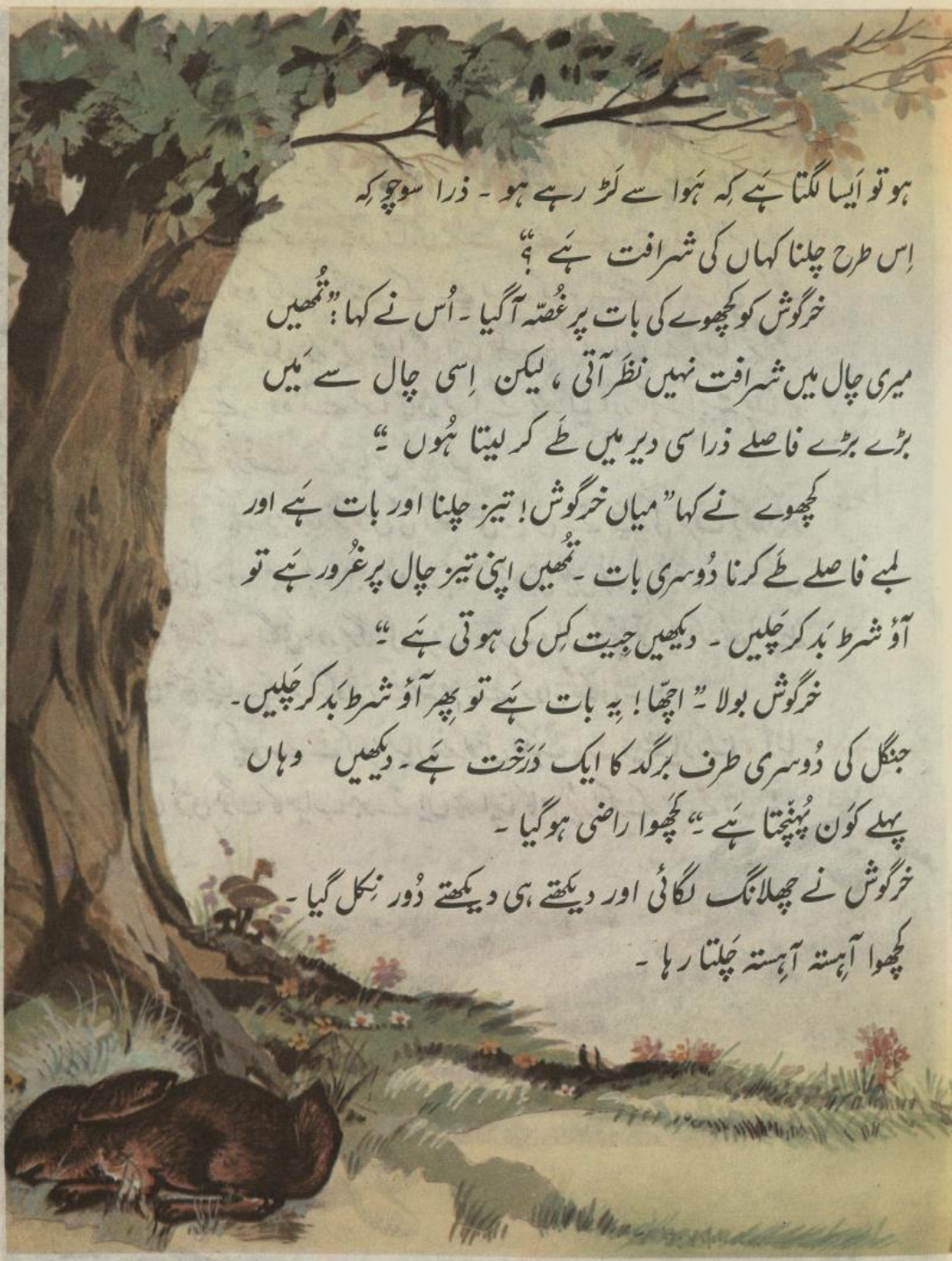

ہو تو ایسا لگتا ہے کہ ہوا سے لڑ رہے ہو۔ ذرا سوچو کہ اِس طرح چلنا کہاں کی شرافت ہے ؟"

خرگوش کو کچھوے کی بات پر غُصّہ آگیا۔ اُس نے کہا: "تُمھیں میری چال میں شرافت نہیں نظر آتی، لیکن اِسی چال سے مَیں بڑے بڑے فاصلے ذرا سی دیر میں طے کر لیتا ہُوں۔"

کچھوے نے کہا "میاں خرگوش! تیز چلنا اور بات ہے اور لمبے فاصلے طے کرنا دُوسری بات۔ تُمھیں اپنی تیز چال پر غُرور ہے تو آؤ شرط بَد کر چلیں۔ دیکھیں جیت کِس کی ہوتی ہے۔"

خرگوش بولا "اچھّا! یہ بات ہے تو پھر آؤ شرط بَد کر چلیں۔ جنگل کی دُوسری طرف برگد کا ایک دَرَخت ہے۔ دیکھیں وہاں پہلے کَون پُہنچتا ہے۔" کچھوا راضی ہو گیا۔

خرگوش نے چھلانگ لگائی اور دیکھتے ہی دیکھتے دُور نِکل گیا۔ کچھوا آہستہ آہستہ چلتا رہا۔

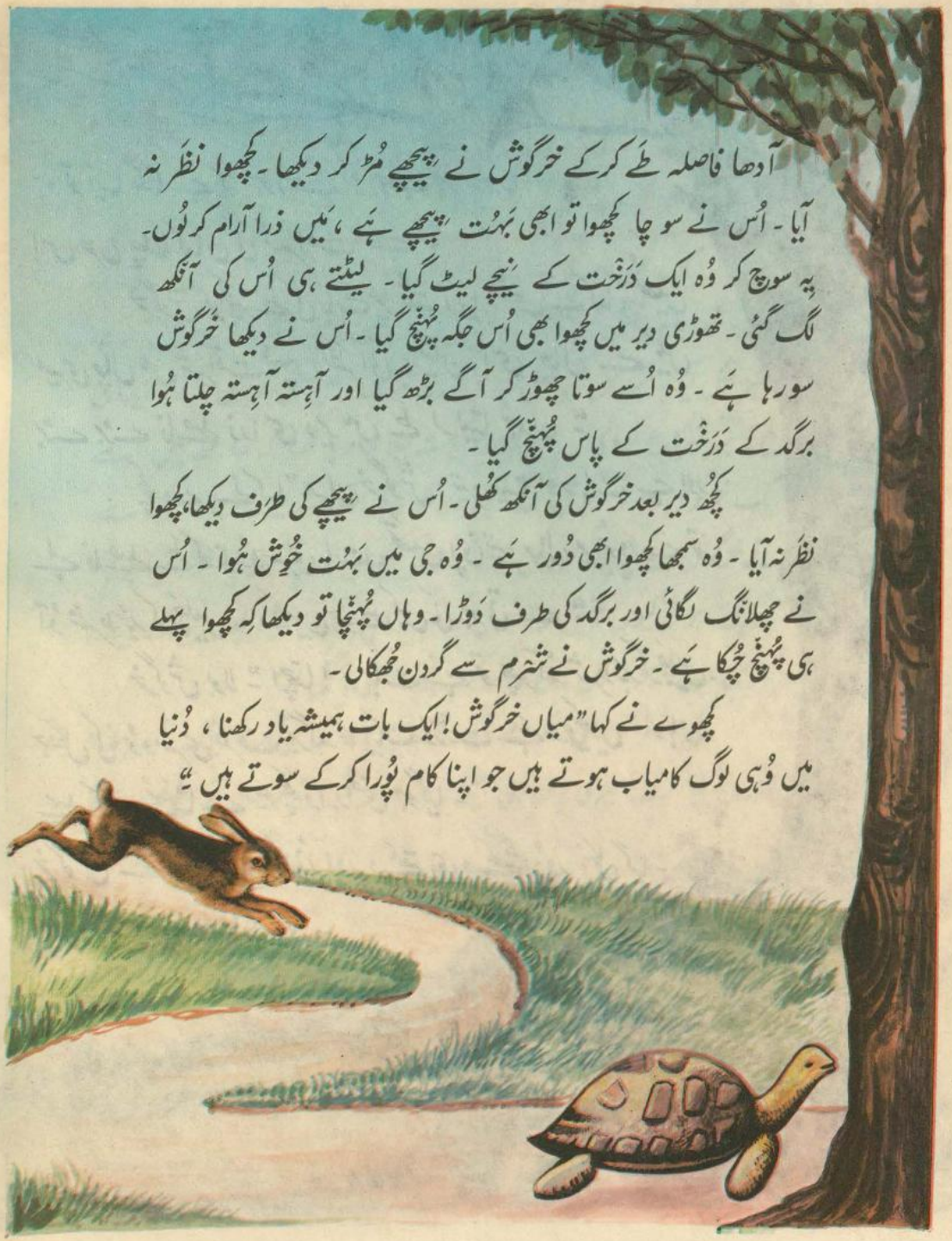

آدھا فاصلہ طے کر کے خرگوش نے پیچھے مُڑ کر دیکھا۔ کچھوا نظر نہ آیا۔ اُس نے سوچا کچھوا تو ابھی بہت پیچھے ہے، مَیں ذرا آرام کر لُوں۔ یہ سوچ کر وُہ ایک دَرخت کے نیچے لیٹ گیا۔ لیٹتے ہی اُس کی آنکھ لگ گئی۔ تھوڑی دیر میں کچھوا بھی اُس جگہ پہنچ گیا۔ اُس نے دیکھا خرگوش سو رہا ہے۔ وُہ اُسے سوتا چھوڑ کر آگے بڑھ گیا اور آہستہ آہستہ چلتا ہُوا برگد کے دَرخت کے پاس پہنچ گیا۔

کچھ دیر بعد خرگوش کی آنکھ کھُلی۔ اُس نے پیچھے کی طرف دیکھا، کچھوا نظر نہ آیا۔ وُہ سمجھا کچھوا ابھی دُور ہے۔ وُہ جی میں بہت خُوش ہُوا۔ اُس نے چھلانگ لگائی اور برگد کی طرف دَوڑا۔ وہاں پہنچا تو دیکھا کہ کچھوا پہلے ہی پہنچ چُکا ہے۔ خرگوش نے شرم سے گردن جُھکالی۔

کچھوے نے کہا "میاں خرگوش! ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا، دُنیا میں وُہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں جو اپنا کام پُورا کر کے سوتے ہیں۔"

کام کرنا عبادت ہے

ایک دِن ایک آدمی رَسُولُ اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی خِدمت میں آیا۔ اُس نے کہا: حُضُورؐ! میرے پاس کھانے کو کچھ نہیں۔ مجھے کچھ دِیجیے۔"
رَسُولُ اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: "کیا تمھارے گھر میں کچھ بھی نہیں؟"
اُس نے جواب دِیا: "حُضُورؐ میرے گھر میں صِرف دو چیزیں ہیں۔ ایک کمبل ہے جسے مَیں آدھا اوڑھتا ہُوں اور آدھا بچھاتا ہُوں۔ دُوسرا ایک پیالہ ہے جس سے مَیں پانی پیتا ہُوں۔"

رَسُولُ اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: "جاؤ! گھر سے دونوں چیزیں لے آؤ۔" وہ آدمی گیا اور تھوڑی دیر میں دونوں چیزیں لے کر آگیا۔
رَسُولُ اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے دونوں چیزیں اُس کے ہاتھ سے لے لیں۔ آپؐ کے پاس بہُت سے لوگ بیٹھے تھے۔ رَسُولُ اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: "کوئی اِن چیزوں کو خریدے گا؟" ایک شخص نے کہا: "جی ہاں! مَیں اِن دونوں چیزوں کو ایک دِرہم میں خریدتا ہُوں۔" رَسُولُ اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: "کوئی شخص یہ چیزیں ایک دِرہم سے زیادہ میں خرید سکتا ہے؟" ایک اور شخص نے کہا: "حُضُورؐ مَیں اِن دونوں چیزوں کے دو دِرہم دُوں گا۔" آپؐ نے دو دِرہم

لے کر دونوں چیزیں اُس شخص کو دے دیں۔

رَسُولُ اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے دونوں دِرہم اُس آدمی کو دے دیے جو بھیک مانگنے آیا تھا۔ آپؐ نے اُس سے فرمایا: "جاؤ! ایک دِرہم سے کھانے کے لیے کچھ خریدو۔ دُوسرے دِرہم کی کُلھاڑی خرید کر میرے پاس لاؤ۔" وُہ آدمی بازار گیا اور کُلھاڑی خرید لایا۔ رَسُولُ اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے اپنے ہاتھ سے کُلھاڑی میں دَستہ ٹھونک دِیا۔ آپؐ نے کُلھاڑی اُس آدمی کو دی اَور فرمایا: "جاؤ اِس سے لکڑیاں کاٹو اور اُنھیں بیچ کر زِندگی بسر کرو۔"

وُہ آدمی چلا گیا۔ اُس نے حُضُورؐ کے کہنے پر عمل کیا، اور لکڑیاں کاٹ کاٹ کر بیچنے لگا۔

کُچھ مُدّت کے بعد وُہ آدمی پھر حُضُورؐ کی خِدمت میں حاضِر ہُوا۔ وُہ بَہُت خُوش تھا۔ اُس کے پاس دس دِرہم جمع ہو گئے تھے۔ حُضُورؐ بھی اُسے دیکھ کر بَہُت خُوش ہوئے اور فرمایا:

"یہ بہتر ہے کہ قیامت کے دِن تُمھارے چہرے پر بھیک مانگنے کا داغ نہ ہو۔" آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ مِحنَت کر کے روزی کمانا عِبادَت ہے۔

پَن چکّی

نہر پر چل رہی ہے پَن چکّی
دُھن کی پُوری ہے کام کی پکّی

بَیٹھتی تُو نہیں کبھی تھک کر
تیرے پہیّے کو ہے سدا چکّر

پیسنے میں لگی نہیں کچھ دیر
تُو نے جھٹ پٹ لگا دیا اِک ڈھیر

لوگ لے جائیں گے سمیٹ سمیٹ
تیرا آٹا بھرے گا کتنے پیٹ

بھر کے لاتے ہیں گاڑیوں میں اَناج
شہر کے شہر ہیں ترے مُحتاج

ختم تیرا سفر نہیں ہوتا
نہیں ہوتا مگر نہیں ہوتا

پانی ہر وقت بہتا ہے دھل دھل
جو گھماتا ہے آ کے تیری کل
کیا تجھے چین ہی نہیں آتا
کام جب تک نبڑ نہیں جاتا
مینہ برستا ہو یا چلے آندھی
تُو نے چلنے کی شرط ہے باندھی
تُو بڑے کام کی ہے اے چکّی!
مجھ کو بھاتی ہے تیری لے چکّی!

علم سیکھو سبق پڑھو بچّو
اور آگے چلو بڑھو بچّو
جب نبڑ جائے کام تب ہے مزا
کھیلنے، کھانے اور سونے کا
دِل سے محنت کرو خوشی کے ساتھ
نہ کہ اُکتا کے خامشی کے ساتھ
دیکھ لو چل رہی ہے پَن چکّی
دُھن کی پُوری ہے کام کی پکّی

(اسمٰعیل میرٹھی)

گفتگو کے آداب

دُعا کے بَعد بچّے اپنی جماعت کے کمرے میں آئے ۔ اُنھوں نے روز کی طرح اپنی کِتابیں نِکالیں اور پڑھنے کے لیے تیّار ہوگئے۔ لیکن ماسٹر صاحِب نے کہا: "بچّو! اِس وقت ہم سَبَق نہیں پڑھیں گے۔ بات چیت کریں گے ۔ ذرا میرے قریب آجاؤ۔" بچّوں نے کِتابیں رکھ دِیں اور ماسٹر صاحِب کے قریب آکر بَیٹھ گئے ۔

ماسٹر صاحِب نے کہا: "بچّو! تمھیں معلُوم ہے کُچھ دن بَعد ہمارے سکُول میں بچّوں کا میلا ہو گا ۔ اِس میلے میں بَہُت سے لوگ آئیں گے ۔ ہمیں سوچنا ہے کہ ہم اپنے سکُول کو کیسے سجائیں اور میلے میں کیا کیا چیزیں پیش کریں۔"

بچّوں نے یہ سُنا تو بَہُت خُوش ہُوئے ۔ سب اپنے اپنے مشوَرے دینے لگے ۔ سب زور زور سے بولنے لگے ۔ ہَر بچّہ چاہتا تھا کہ اُسی کی بات پہلے سُنی جائے ۔

رمضان بولا: "ہم غُبارے لائیں گے۔" سُلمان نے بات

کاٹ کر کہا "نہیں ہم جھنڈیاں لگائیں گے۔" اظہر نے جلدی سے کہا "ہم رات کو موم بتّیاں جلائیں گے۔" ہر بچّہ اپنی اپنی کہے جا رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا بات چیت نہیں ہو رہی، لڑائی جھگڑا ہو رہا ہے۔ باتیں سب کی اچھّی تھیں مگر بات کرنے کا طریقہ ٹھیک نہیں تھا۔

ماسٹر صاحب نے یہ دیکھا تو کہا "ارے بھئی تم تو سب ایک ساتھ بولنے لگے۔ تمھاری تجویزوں پر تو بعد میں غور کریں گے، پہلے میری ایک اور بات سُن لو۔" بچّے خاموش ہوگئے۔ ماسٹر صاحب نے کہا "ایک وقت میں صرف ایک ہی بچّے کو بولنا چاہیے۔ باقی بچّوں کو چاہیے کہ وہ اُس

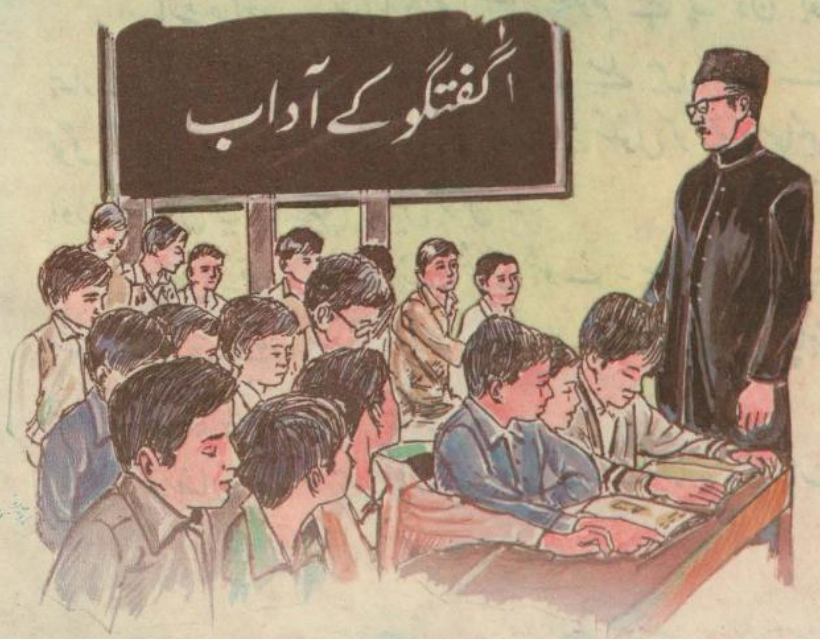

کی بات غور سے سُنیں ۔ جب ایک بچّہ اپنی بات ختم کرلے تو دُوسرا بولے ۔ کِسی کی بات کاٹنا اچھّی بات نہیں ۔ بات کرتے وقت زور زور سے بولنا مُناسِب نہیں ۔ چیخ چیخ کر بات کرنا تو اور بھی بُرا ہَے ۔

سب سے ضَروری بات تو یہ ہَے کہ جب بھی بولو سچ بولو ۔ بڑوں سے بات کرو تو اَدب سے کرو ۔ اپنے دوستوں سے گُفتگُو کرو تو پیار اور مَحبّت سے کرو ۔ بات سوچ کر کرو ۔ لمبی بات کرنا اچھّی عادَت نہیں ۔ بات وُہی اچھّی ہوتی ہَے جو کام کی ہو اور چھوٹی ہو ۔ اِنھی باتوں کو ہم گُفتگُو کے آداب کہتے ہَیں ۔"

بچّوں نے یہ باتیں سُنیں تو دِل میں عہد کیا کہ وُہ آئندہ گُفتگُو میں اِن آداب کا خیال رکھّیں گے ۔

حضرت ابُوبکر صِدّیق رضی اللہ عنہ

اَللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی حضرت مُحمّد صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کو اپنا رَسُول بنایا۔ اَللہ تعالیٰ کے حُکم سے آپؐ نے لوگوں کو اِسلام کی تعلیم دینا شُروع کی۔ رَسُولؐ اَللہ کی باتیں سُن کر حضرت ابُوبکر صِدّیق رَضیَ اللہُ عَنہُ فوراً مُسلمان ہوگئے۔ مَردوں میں وُہ پہلے آدمی تھے جو مُسلمان ہُوئے۔

مُسلمان ہونے کے بَعد حضرت ابُوبکر صِدّیقؓ ہر کام میں رَسُولؐ اللہ کے ساتھ رہے۔ رَسُولؐ اللہ ان سے بَہُت مَحبّت کرتے تھے۔ حضرت ابُوبکرؓ کو بھی رَسُولؐ اللہ سے بَہُت مَحبّت تھی۔ وُہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے لیے اللہ تعالیٰ اور رَسُولؐ اللہ سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔

حضرت ابُوبکرؓ تِجارت کرتے تھے۔ جب وُہ مُسلمان ہُوئے تو اُن کے پاس چالیس ہزار دِرہم تھے۔ یہ بَہُت بڑی رقم تھی، لیکن مُسلمان ہُوئے تو یہ ساری رقم اَللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دی۔ اس کے بعد بھی اپنی کمائی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے رہے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ رَسُولُ اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے سب مُسلمانوں کو خُدا کی راہ میں مال دینے کا حُکم دِیا۔ اُس وَقت حضرت عُمر رضی اللہُ عنہ کے پاس بہُت سا مال تھا۔ اُنھوں نے سوچا، آج مَیں ابُوبکر صِدّیق رضؓ سے زیادہ صَدقہ دُوں گا۔ اُنھوں نے اپنا آدھا مال رَسُولؐ اللہ کی خِدمَت میں پیش کر دِیا۔ رَسُولؐ اللہ نے حضرت عُمر رضؓ سے پُوچھا: "تُم نے اپنے گھر والوں کے لِیے کیا چھوڑا؟" حضرت عُمرؓ نے جواب دِیا: "حُضُورؐ جِتنا مال آپ کی خِدمَت میں پیش کِیا ہے، اُتنا ہی گھر والوں کے لِیے چھوڑ آیا ہُوں۔"

حضرت ابُوبکرؓ نے اپنا سارا مال رَسُولؐ اللہ کی خِدمَت میں پیش کر دِیا۔ حُضُورؐ نے دَرْیافْت فرمایا: "تُم نے اپنے بچّوں کے لیے کیا چھوڑا؟" حضرت ابُوبکرؓ نے جواب دِیا: "اللہ اور اُس کا رَسُولؐ۔"

یہ بات حضرت عُمرؓ نے سُنی تو اپنے دِل میں سوچا، "مَیں کبھی حضرت ابُوبکر صِدّیقؓ کی برابری نہیں کر سکتا۔"

یہی حضرت ابُوبکر صِدّیقؓ ہیں جو رَسُولُ اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے بعد مُسلمانوں کے پہلے خلیفہ ہُوئے۔

ہم سب جانتے ہیں کہ حضرت عُمرؓ ہمارے دُوسرے خلیفہ تھے۔

چھٹّی کا دِن

چھٹّی کے دِن اَختر اور آمِنہ روز کی طرح صُبح سویرے اُٹھ بَیٹھے۔ اَختر نے کہا "مَیں آج اَبّا کے ساتھ کھیت میں جاؤں گا۔ اُن کے ساتھ کام کروں گا۔" یہ سُن کر آمِنہ بولی "مَیں بھی اَمّی کے کام میں اُن کا ہاتھ بٹاؤں گی۔ اَمّی کے ساتھ مِل کر کھانا پکاؤں گی۔" آمِنہ کے اَبّا نے دونوں کو شاباش دِی۔

اَختر کے اَبّا نے بَیل کھولے۔ اَختر بھی چھڑی پکڑ کر ساتھ ہو لیا۔ کھیت میں پُہنچ کر اَختر کے اَبّا نے بَیلوں کو ہَل میں جوتا اور ہَل چَلانے لگے۔ اَختر نے اَبّا کی مَدد کی۔ جب دُھوپ تیز

ہوگئی تو اَختر کے اَبّا نے بَیل کھول دِیے ۔ اَختر نے بَیلوں کو پانی پِلایا اور چارا لے آیا ۔ بَیل چارا کھانے لگے ۔ اَختر اور اُس کے اَبّا سائے میں جا بَیٹھے ۔

آمِنہ نے گھر میں اپنی اَمّی کی مَدد کی ۔ پہلے دونوں نے گھر کو صاف کِیا ، برتن دھوئے ، پھر نہا دھو کر کپڑے بدلے ۔ اَمّی نے سَبزی بنائی ۔ آمِنہ نے آٹا گُوندھا ۔ اَمّی ہنڈیا پکاتی جاتی تھیں ، آمِنہ دیکھتی جاتی تھی ۔ اَمّی نے ہنڈیا پکائی ، آمِنہ تَنوُر سے روٹیاں لگوا لائی ۔ جب کھانا تیار ہوگیا تو آمِنہ کی اَمّی نے کہا : " چلو آمِنہ کھیت پر چلیں " آمِنہ نے لَسّی کا گڑوا اُٹھا لیا ۔ اَمّی نے کھانا سَر پر رکھّا اور دونوں ماں بیٹی کھیت کی طرف روانہ ہوگئیں ۔

اَختر نے آمِنہ کو آتے دیکھا تو خُوش ہو کر اَبّا کو بتایا ۔ اَبّا بھی اُنھیں دیکھ کر بَہُت خُوش ہُوئے ۔ سب نے ایک دُوسرے کو سلام کِیا ، ہاتھ دھوئے اور دَرَخت کے سائے میں بَیٹھ کر کھانا کھانے لگے ۔ سب نے

مزے سے کھانا کھایا اور خُدا کا شُکر اَدا کیا ۔

تھوڑی دیر بعد اَمّی بولیں :" مُجھے گھر جاکر گندُم صاف کرنا ہَے ۔ چارا کاٹنا ہَے ۔ پڑوسن بیمار ہَے اُس کا بھی ہاتھ بٹانا ہَے اِس لیے مَیں چلتی ہُوں ۔" آمِنہ بولی " مجھے بھی سکُول کا کام کرنا ہَے ، مَیں بھی چلتی ہُوں ۔" اِس پر اَختر نے کہا :" کام تو مُجھے بھی کرنا ہَے ۔" ابّا کہنے لگے " تُم تینوں گھر جاؤ ۔ مُجھے یہاں ابھی بَہُت کام ہَے ۔"

اَختر اور آمِنہ گھر پُہنچ کر مدرَسے کا کام کرنے لگے ۔ اَمّی بھی اپنے کاموں میں لگ گئیں ۔ اَختر جب فارِغ ہُوا تو باہَر کھیلنے چلا گیا ۔ اُدھر آمِنہ کی سہیلیاں آگئیں ، وُہ اُن کے ساتھ کھیلنے لگی ۔ اِتنے میں مَغرِب کی اَذان ہوگئی ۔ اَختر کھیل چھوڑ کر مَسجِد میں چلا گیا ۔ اَختر کے ابّا بھی مَسجِد میں مَوجُود تھے ۔ نَماز سے فارِغ ہُوئے تو دونوں باپ بیٹا گھر آگئے ۔ کھانا تیّار تھا ۔ سب نے مِل کر کھایا اور خُدا کا شُکر اَدا کیا ۔

کھانے کے آداب

کھانے کا وقت ہوگیا تھا۔ امّی نے ناصرہ کو آواز دی: "بیٹی! کھانا لگا کر سب کو کھانے پر بُلا لو۔" ناصرہ نے کہا: "جی اچھا امّی!" اور اُٹھ کر دسترخوان بچھایا، پھر اُس پر پلیٹیں چُن دیں۔

دسترخوان پر کھانا لگ گیا۔ امّی سب سے پہلے دسترخوان کے قریب آکر بیٹھ گئیں۔ ناصرہ اور راشدہ امّی کے دائیں بائیں آبیٹھیں۔ پھر ابّا جان، ناصر اور حامد آئے۔ حامد بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا۔ امّی جان نے دیکھا کہ اُس کے دونوں ہاتھوں میں سیاہی لگی ہُوئی ہے۔ اُنھوں نے حامد سے کہا: "حامد تُم نے ہاتھ نہیں دھوئے؟" حامد بولا: "دھو لیے امّی جان!" ناصر کہنے لگا: "امّی جان! اس نے ہاتھ تو دھوئے ہیں لیکن صابن سے نہیں دھوئے۔" حامد یہ سُن کر جلدی سے اُٹھا اور غُسل خانے میں چلا گیا۔ اُس نے صابن سے ہاتھ دھوئے۔

کھانا شُروع ہُوا۔ سب نے باری باری اپنی پلیٹوں میں چاول نکالے۔ حامد نے اپنی پلیٹ میں بہُت سے چاول نکال لیے۔ امّی نے

دیکھا تو بولیں: "حامد! تُم نے پھر وُہی بات کی۔" حامد کی سمجھ میں نہ آیا کہ اُس نے کیا غلطی کی ہے۔ اُس نے امّی کی طرف دیکھا۔ اُس کی نظر ناصرہ پر بھی پڑی۔ وُہ اُس کی پلیٹ کی طرف دیکھ کر مُسکرا رہی تھی۔ وہ سمجھ گیا کہ اُس سے کیا غلطی ہُوئی ہے۔ اُس نے فوراً اپنی پلیٹ میں سے آدھے چاول کم کر دیے۔

سب خاموشی سے کھانا کھا رہے تھے۔ ابّا جان کی نظر راشدہ پر پڑی۔ اُنھوں نے کہا: "راشدہ بیٹی۔" راشدہ نے جلدی میں بہُت سے چاول مُنہ میں بھر لیے تھے۔ اس کے لیے بولنا مُشکل تھا۔ ابّا جان کی آواز سُن کر بول اُٹھی: "جی ابّا جان!" چاولوں سے بھرے ہُوئے مُنہ سے ایسی آواز نکلی کہ سب کو ہنسی آگئی۔

امّی بولیں: "راشدہ بیٹی! اِتنا بڑا نوالہ کبھی نہیں بنانا چاہیے کہ مُنہ پُورا بھر جائے اور بولنا مُشکل ہو جائے۔ یہ بات دیکھنے میں بھی بُری لگتی ہے اور اِس سے کبھی کبھی پھندا بھی لگ جاتا ہے۔"

راشدہ نے کہا: "امّی جان اب میں کبھی اِتنا بڑا نوالہ نہ لُوں گی۔"

اَمّی بولیں " شاباش بیٹی ، اب یہ بات یاد رکھنا "۔
راشدہ نے کہا :" اَمّی جان مَیں یہی ایک بات تو بھُول گئی تھی ۔ باقی سب باتیں مُجھے یاد ہیں " اَمّی نے کہا " کیا کیا باتیں یاد ہیں تُمھیں؟" راشدہ کہنے لگی :" دیکھیے سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ کھانے سے پہلے ہاتھ دھو لیے جائیں ۔ دُوسری بات یہ ہے کہ کھانا بِسمِ اللہ پڑھ کر شرُوع کرنا چاہیے ۔ تیسری بات یہ کہ پلیٹ میں پہلی ہی مرتبہ بہُت سا کھانا نہیں لینا چاہیے "

حامِد جھٹ بول اُٹھا :" اور اَمّی جان ! کھانا کھاتے ہُوئے مُنہ سے آواز نہیں نِکالنا چاہیے " ناصِرہ نے راشِدہ کی طرف دیکھ کر کہا :" اور مُنہ میں اِتنا بڑا نوالہ نہیں لینا چاہیے کہ بولنا مُشکِل ہو جائے " ناصِرہ کی بات سُن کر سب ہنس پڑے ۔

کھانا ختم ہُوا تو سب نے اَللہ کا شُکر ادا کیا ۔ سب باری باری غُسل خانے میں گئے ۔ صابن سے ہاتھ دھوئے ۔ کُلّی کی اور تولیے سے مُنہ ہاتھ پُونچھے ۔ ناصِرہ اور راشِدہ نے برتن اُٹھائے اور باورچی خانے میں رکھے ۔ دستر خوان جھاڑ کر کھونٹی پر ڈال دِیا اور فرش صاف کر دِیا۔

قائدِ اعظمؒ

تیرے خیال سے ہے دِل شادماں ہمارا
تازہ ہے جاں ہماری، دِل ہے جواں ہمارا

تیری ہی ہمتوں سے آزاد ہم ہُوئے ہیں
خُوشیاں ملی ہیں ہم کو، دِل شاد ہم ہُوئے ہیں

آباد ہے تجھی سے یہ گلستاں ہمارا

ہم سو رہے تھے، تُو نے آکر ہمیں جگایا
پھرتے تھے ہم بھٹکتے، رستہ ہمیں بتایا

تُو رہنُما ہمارا، تُو پاسباں ہمارا

تیرے ہی حوصلے سے ہم کو ملی ہے قُوّت
تیری ہی آبرُو سے قائم ہے اپنی عزّت

چمکا ہے تیرے دَم سے قومی نشاں ہمارا

ہم جو قدم اُٹھائیں، آتی ہے یاد تیری
ہم جس طرف بھی جائیں، آتی ہے یاد تیری

تجھ سے رَواں دَواں ہے یہ کارواں ہمارا

(صُوفی تبسّم)

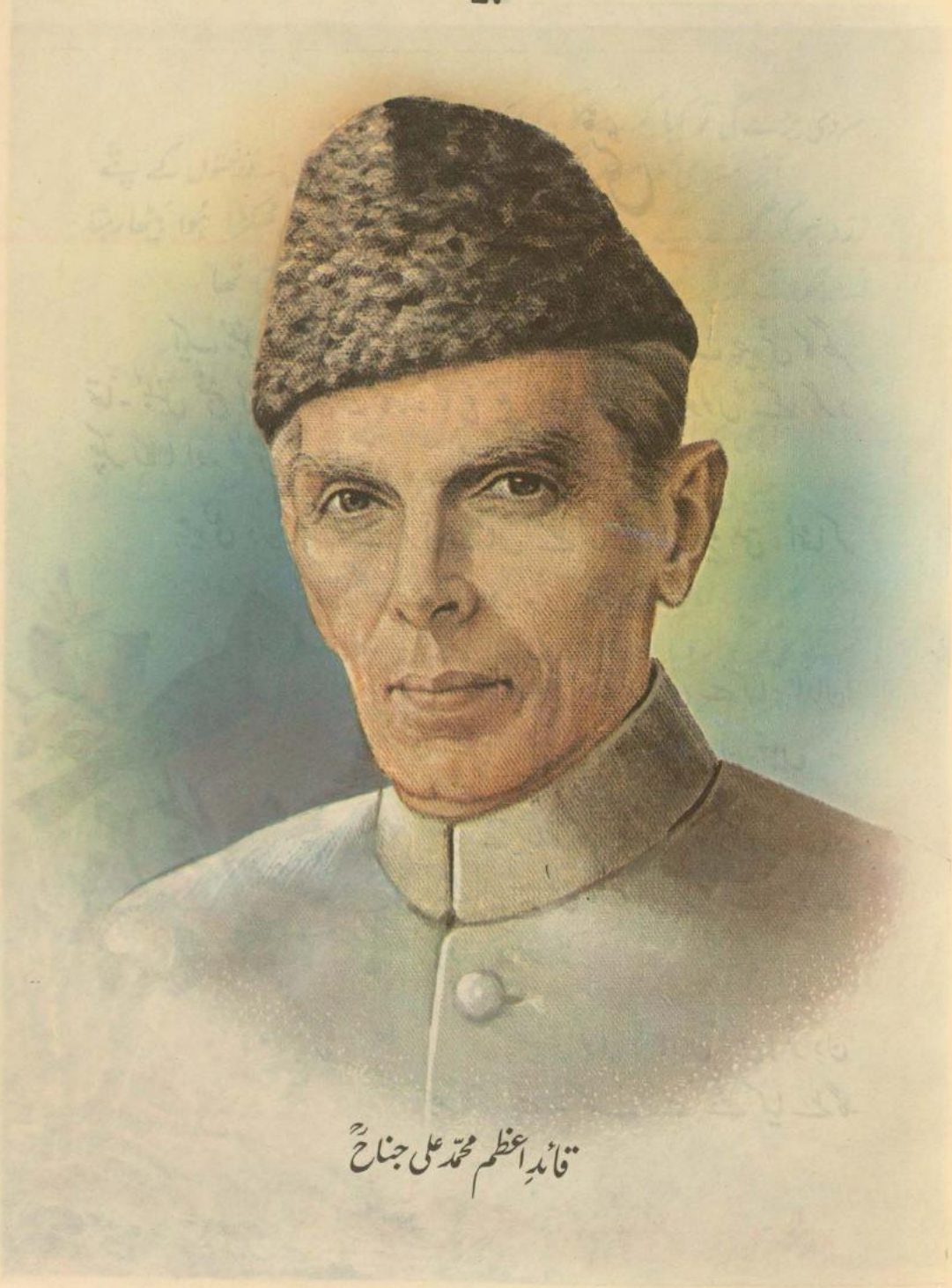

قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ

بُلبُل اور چیونٹی

ایک بُلبُل دَرخت پر رہتا تھا۔ دَرخت کے نیچے ایک چیونٹی کا گھر تھا۔ بُلبُل صُبح اُٹھتا، گیت گاتا، باغ میں اُڑتا پھرتا، پھُولوں کے گرد چکّر لگاتا اور خُوش ہوتا۔

چیونٹی دِن بھر محنَت کرتی، جہاں سے کھانے کی چیز مِلتی، اُٹھا کر گھر لے آتی اور خُوش ہوتی۔

ایک دِن بُلبُل نے چیونٹی سے کہا: "نادان! یہ خُوشی کے دِن ہیں، محنَت کے دِن نہیں۔

میرے ساتھ آ۔ پھُولوں کو دیکھ، پرندوں کے گیت سُن، آسمان پر چھائے ہُوئے بادَل دیکھ۔"

چیونٹی بولی: "نادان بُلبُل! تُو دِن بھر گاتا ہے۔ گانے سے تُجھے کیا مِلے گا۔

سردی پڑے گی تو کیا کرے گا، کیا کھائے گا؟"

آخر سردی کا موسم آگیا۔ سرد ہوائیں چلنے لگیں۔ درختوں کے پتے زرد ہو کر گرنے لگے، پھول مرجھا گئے۔ بلبل پیڑ پر سکڑا ہوا بیٹھا رہتا۔ اُسے کھانے کو کچھ نہیں ملتا تھا۔ اب وہ گانا بھی نہیں گاتا تھا۔

بلبل کو بھوک نے ستایا تو ایک دن وہ چیونٹی کے پاس آیا اور کہا:

"اچھی ہمسائی، میں بہت بھوکا ہوں۔ مجھے کچھ کھانے کو دو۔"

چیونٹی بولی: "بے شک تم میرے ہمسائے ہو۔ میں تمھیں کھانے کو ضرور کچھ دوں گی۔ لیکن برا نہ مانو تو ایک بات کہوں۔ گرمیوں کا موسم تم نے گا کر گزار دیا اور پھولوں کے اِرد گرد اُڑتے رہے۔ یہ نہ سوچا کہ سردی کا موسم آئے گا تو کیا کھاؤ گے۔"

بلبل بولا: "سچ کہتی ہو۔ لیکن پھولوں کا موسم آتا ہے تو میں سب کچھ بھول جاتا ہوں۔"

چیونٹی بولی: میرے بھائی! جو کوئی آنے والے وقت کی فکر نہیں کرتا، اُسے مصیبت اُٹھانا پڑتی ہے۔

کُمھار

ہمیں زِندگی میں بہُت سی چیزوں کی ضرُورت پڑتی ہے ۔ یہ سب چیزیں ہم اپنے ہاتھ سے نہیں بنا سکتے ۔ کِسان غلّہ پیدا کرتا ہے ۔ جولاہا کپڑا بُنتا ہے ۔ بڑھئی لکڑی کی چیزیں بناتا ہے ۔ لوہار لوہے کا سامان تیّار کرتا ہے ۔ دَرزی کپڑے سیتا ہے ۔ دھوبی کپڑے دھوتا ہے ، اور اِس طرح ہم سب کا کام چلتا ہے ۔

مَیں نے کِسان کو ہَل چلاتے دیکھا ہے ۔ بڑھئی ، لوہار اور دَرزی کو بھی کام کرتے دیکھا ہے ۔ مَیں اِن سب کو ہمیشہ کام کرتے دیکھتا ہُوں ۔ یہ کام کرتے رہتے ہیں اور مَیں ان کے پاس سے گُزر جاتا ہُوں ۔ لیکن ایک کاری گر ایسا ہے جِس کے پاس پُہنچتے ہی مَیں رُک جاتا ہُوں اور دیر تک وہاں کھڑا رہتا ہُوں ۔

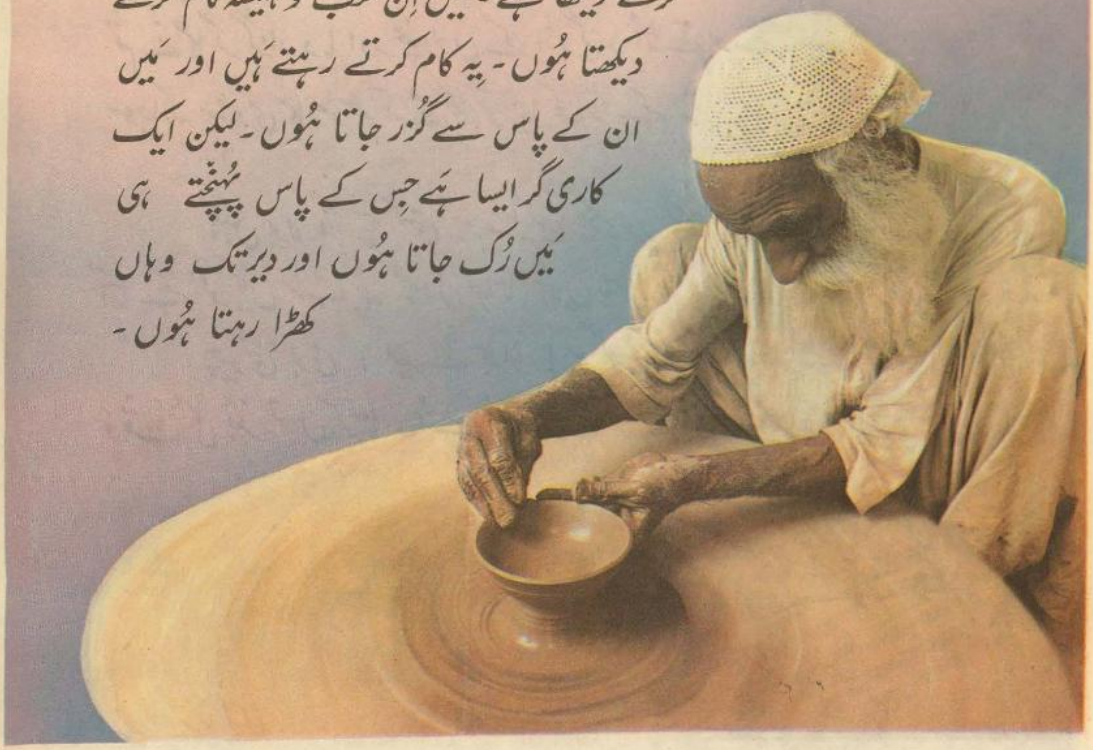

وہاں سے ہٹنے کو جی نہیں چاہتا۔

یہ کاری گر کُمھار ہے۔ یہ دیکھو! کُمھار زمین پر بیٹھا ہے۔ اِس کے دائیں ہاتھ گُندھی ہُوئی مٹّی رکھّی ہے۔ سامنے کی طرف ایک گول پہیّا ہے۔ کُمھار کے اِس پہیّے کا نام چاک ہے۔ چاک کے کنارے پر ایک جگہ ایک چھوٹا سا سوراخ ہے۔ کُمھار نے گُندھی ہُوئی مٹّی کا ایک لوَنّدا اُٹھا کر چاک کے بیچ میں رکھّا۔ اپنے پاس رکھّی ہُوئی چھڑی اُٹھائی۔ چھڑی کا ایک سِرا چاک کے کنارے والے سوراخ میں ڈالا اور چاک کو زور سے گھُمایا۔ کُمھار نے چھڑی اَور تیزی سے گھُمائی۔ چاک اَور تیز چلنے لگا۔ ذرا سی دیر میں وُہ پھرکی کی طرح گھُومنے لگا۔

کُمھار نے چھڑی ایک طرف رکھ دِی۔ اپنے دونوں ہاتھ چاک پر رکھّی ہُوئی مٹّی پر رکھّے۔ اُسے انگُوٹھوں سے دبایا۔ پھر اپنی اُنگلیوں کو کبھی اِدھر کبھی اُدھر چلانا شرُوع کیا۔ مٹّی کا لوَنّدا شکلیں بدلنے لگا۔ دیکھتے دیکھتے گیلی مٹّی صُراحی بن گئی۔ کُمھار نے پاس رکھّی ہُوئی ڈوری اُٹھائی۔ صُراحی کے پیندے میں اِدھر سے اُدھر گھُمائی۔ صُراحی مٹّی سے الگ ہو گئی۔ کُمھار نے صُراحی کو آہستہ سے اپنے ہاتھ میں اُٹھا لیا اور اُسے ایک طرف رکھ دِیا۔

کمہارن مٹّی گوُندھ گوُندھ کر کمہار کے پاس رکھتی رہی ۔ کمہار مٹّی کے لوَندے چاک پر رکھتا رہا اور صُراحی پر صُراحی بناتا رہا ۔ چاک گھومتا رہا ۔ کمہار کی اُنگلیاں مٹّی میں گردِش کرتی رہیں اور صُراحیاں بنتی رہیں ۔ یہ سب کچھ جادُو کا کھیل معلوم ہوتا ہے ۔ آدمی دیکھتا ہے اور حیرت سے دیکھتا ہی رہ جاتا ہے ۔

کمہار نے چاک روک دیا ۔ کمہارن مٹّی کے پیالے میں ٹھنڈا پانی لے آئی ۔ اُس نے پانی پیا اور اللہ کا شُکر اَدا کیا ۔ مَیں نے کہا : "میاں جی ! ایک بات پُوچھوں ؟" کمہار نے کہا : "پُوچھو بابُو جی !" مَیں نے کہا : "تُم اِتنے اچھّے اچھّے برتن کیسے بنا لیتے ہو ؟"

کمہار بولا : "بابُو ! یہ سارا پھل محنت کا ہے ۔ محنت سے آدمی سب کچھ سیکھ لیتا ہے ۔ مَیں نے اپنے باپ سے یہ کام سیکھا ۔ میرے باپ نے میرے دادا سے سیکھا ۔ سب کام سیکھتے رہے اور محنت کرتے رہے تو یہ ہُنر اُن کے ہاتھ لگا ۔"

کمہار نے مٹّی کا پیالہ ایک طرف رکھّا ۔ اُس نے اپنی جادُو کی چھڑی گھُمائی ۔ چاک پھر گھُومنے لگا ۔ کمہار کی اُنگلیاں مٹّی میں گردِش کرنے لگیں ، برتن بننے لگے ۔ مَیں نے سوچا جادُو نہ چھڑی میں ہے نہ چاک میں ، جادُو تو آدمی کے ہاتھ میں ہے ۔

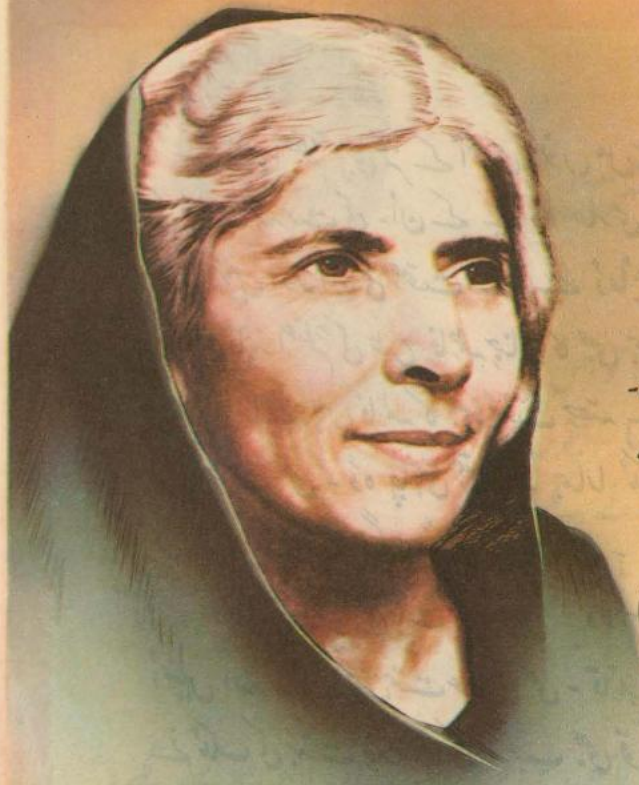

قوم کی ماں

فاطمہ جناحؒ ہماری ماں تھیں۔ جب وہ زندہ تھیں تو چھوٹے بڑے سب اُن سے پیار کرتے تھے۔ اُن کی عزّت کرتے تھے۔ اب وُہ ہم میں مَوجُود نہیں ہیں لیکن اب بھی ہم اُن سے مَحبّت کرتے ہیں۔ اُن کی یاد ہم سب کے دِلوں میں مَوجُود ہے اَور ہمیشہ باقی رہے گی۔

فاطمہ قائدِاعظمؒ کی چھوٹی بہن تھیں۔ قائدِاعظمؒ کو فاطمہؒ سے بَہُت مَحبّت تھی۔ فاطمہ بھی قائدِاعظمؒ سے بَہُت مَحبّت کرتی تھیں۔ وُہ دونوں ہمیشہ ساتھ ساتھ رہے۔ فاطمہ اپنے بھائی کا بَہُت خَیال رکھتی تھیں۔ اُن کے لِیے کھانا اپنی نِگرانی میں پکواتیں۔ قومی کاموں کے لِیے قائدِاعظمؒ اکثر سفَر کرتے رہتے تھے۔ سفَر میں بھی فاطمہ ان کے ساتھ جاتیں اور اُن کے آرام کا پُورا پُورا خیال رکھتیں۔ جب تک قائدِاعظمؒ جاگتے رہتے، فاطمہ بھی جاگتی رہتیں۔

قائدِ اعظمؒ اپنی عُمر کے آخری دِنوں میں بیمار ہُوئے تو فاطمہ نے اُن کی بَہُت خِدمت کی ۔ اُن کے لِیے وُہ ساری ساری رات جاگتیں ۔ اُن کو دَوا پِلاتیں اور اُن کی صِحّت کے لِیے دُعائیں مانگتیں ۔

قائدِ اعظمؒ کی طرح فاطمہ جِناحؒ کا بھی ہم پر بَہُت اِحسان ہَے ۔ پاکِستان بنانے میں فاطمہ کا بھی بَہُت حِصّہ ہَے ۔ اُنھیں پاکِستان سے بڑی مَحبّت تھی ۔ وُہ چاہتی تھیں کِہ ہمارا مُلک زیادہ سے زیادہ ترقّی کرے ، یہاں کے لوگ خُوش حال ہوں ۔

فاطمہ ہمیشہ سچّی بات کہتی تھیں ۔ وہ کِسی سے ڈرتی نہیں تھیں ۔ اُنھیں اللہ نے بڑی ہِمّت عطا کی تھی ۔ قائدِ اعظمؒ کے بعد بھی اُنھوں نے مُلک کی بَہُت خِدمت کی ۔ جب بھی قوم کو اُن کی مَدَد کی ضَرُورَت پیش آئی ، وُہ خُوشی سے آگے بڑھیں ۔

قوم پر فاطمہ جِناحؒ کا بڑا اِحسان ہَے ۔ اِسی لِیے قوم اُنھیں "مادرِ مِلّت" کَہ کر پُکارتی ہَے ۔

اِس کا مطلب ہَے " قوم کی ماں "۔

خُدا مادرِ مِلّت کو جنّت نصِیب کرے ! آمین !

دُودھ کے دانّت

کل جب ناصِر سکُول آیا تو اس کا سامنے کا ایک دانت غائب تھا ۔ بچّوں نے دیکھا تو وُہ ناصِر سے مَذاق کرنے لگے۔

اکبر نے کہا : "ناصِر کا دانت چُوہا لے گیا۔" اختر بولا : "نہیں چُوہا نہیں ، چیل لے گئی ہوگی ۔" انور نے کہا : "چُوہا نہ چیل، ہو نہ ہو اِسے کوّا لے اُڑا ۔" غَرض کِسی نے کچُھ کہا کِسی نے کچُھ ۔

ماسٹر صاحب بچّوں کی باتیں سُن کر مُسکرائے اور اُن سے کہنے لگے :

"بچّو ! تم جانتے ہو کہ ناصِر کا دانت گِر گیا ہے ۔ پھر بھی اُس کا مَذاق اُڑا رہے ہو ۔ ناصِر کا یہ دانت دُودھ کا دانت تھا ۔ دُودھ کے دانت کمزور ہوتے ہَیں ۔ ناصِر اب ماشاءَ اللہ بڑا ہو رہا ہے ۔ اِسے مضبُوط دانتوں کی ضرُورَت ہے ۔ اِس لیے اِس کے دُودھ کے دانت ایک ایک کرکے گِر جائیں گے ۔ اِن کی جگہ نئے دانت نِکل آئیں گے ۔ نئے دانت بہُت مضبُوط ہوں گے ۔ ناصِر اِن دانتوں سے سخت چیزیں چبا سکے گا ۔

یہ صِرف ناصِر ہی کی بات نہیں، ہر بچّہ جب چھے سات برس کا ہو

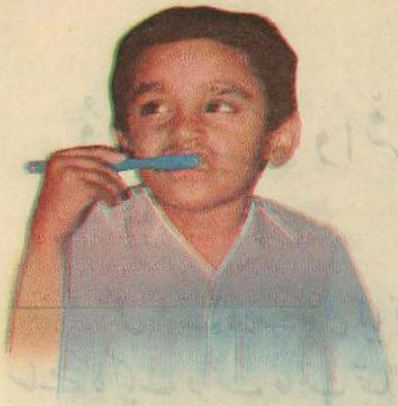

جاتا ہے تو اُس کے دُودھ کے
دانت گِرنے لگتے ہیں۔ جو دانت
گِر جاتا ہے، اُس کی جگہ نیا دانت
نِکل آتا ہے۔ تُم میں سے ہر
ایک کے نئے دانت نِکل آئیں
گے۔ تُم اپنے نئے دانتوں کی
خُوب حِفاظت کرنا، اگر یہ دانت گِر گئے تو اِن کی جگہ اور دانت نہیں
نِکلیں گے۔"

بچّوں نے یہ باتیں بہُت غَور سے سُنیں۔ پھر حمید بولا: "ماسٹر صاحب!
ہم اپنے دانتوں کی حِفاظت کیسے کریں؟" ماسٹر صاحب نے جواب دِیا:
"اپنے دانت ہمیشہ صاف رکھّو۔ کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد
اُنھیں اچھّی طرح صاف کرو۔ رات کو سونے سے پہلے دانت صاف کرنا
بہُت ضرُوری ہے۔ دانت صاف نہ کریں تو اِن پر مَیل جَم جاتا ہے۔ روٹی
اور گوشت کے ذرّے دانتوں میں پھنس جاتے ہیں۔ اِس طرح بیماری پَیدا
ہوتی ہے۔ دانتوں میں دَرد ہونے لگتا ہے۔ آخر دانت نِکلوانے پڑتے
ہیں۔ دانت نہ ہوں تو کھانے کا لُطف نہیں رہتا۔ چہرہ بھدّا ہو جاتا ہے۔
دانت صاف کرنے کے لیے مِسواک یا بُرش اِستعمال کرنا چاہیے۔ مَنجن

سے بھی دانت خوب صاف ہو جاتے ہیں۔"

اعظم نے پوچھا: "ماسٹر صاحب! ہم اپنے دانتوں کو کیسے مضبوط رکھیں؟" ماسٹر صاحب نے فرمایا: "بچو! دانتوں کے لیے دودھ بہت مفید ہے۔ تازہ سبزیاں اور پھل کھانے سے بھی دانت مضبوط ہوتے ہیں۔ گاجر، مولی اور گنا بھی دانتوں کو مضبوط کرتے ہیں۔ یہ سب چیزیں خوب کھایا کرو لیکن ایسی چیزیں ہرگز نہ کھاؤ جن سے دانت خراب یا کمزور ہوں۔ مثلاً برف کے گولے، ٹافیاں اور میٹھی گولیاں۔ زیادہ ٹھنڈا پانی پینے اور زیادہ مقدار میں آئس کریم کھانے سے بھی دانتوں کو نقصان پہنچتا ہے۔

بچو! یہ بات یاد رکھو، دانت اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں۔ ہمیں اس نعمت کی قدر کرنا چاہیے۔"

صُبح کی آمد

خبر دِن کے آنے کی مَیں لا رہی ہُوں
اُجالا زمانے میں پھیلا رہی ہُوں
بہار اپنی مَشرِق سے دِکھلا رہی ہُوں
پُکارے گلے صاف چِلّا رہی ہُوں
اُٹھو سونے والو کہ مَیں آ رہی ہُوں

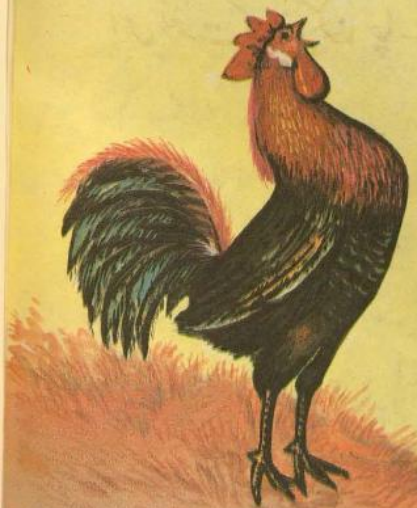

اَذاں پر اَذاں مُرغ دینے لگا ہَے
خُوشی سے ہر اِک جانور بولتا ہَے
دَرختوں کے اُوپر عجب چہچہا ہَے
سُہانا ہَے وَقت اور ٹھنڈی ہَوا ہَے
اُٹھو سونے والو کہ مَیں آ رہی ہُوں

یہ چڑیاں جو پیڑوں پہ ہیں غُل مچاتی
اِدھر سے اُدھر اُڑ کے ہیں آتی جاتی
دُموں کو ہلاتی پَروں کو پُھلاتی
مِری آمد آمد کے ہیں گیت گاتی
اُٹھو سونے والو کہ مَیں آ رہی ہُوں

لو ہُشیار ہو جاؤ اور آنکھ کھولو
نہ لو کروٹیں اور نہ بستر ٹٹولو
خُدا کو کرو یاد اور مُنّہ سے بولو
بس اَب خَیر سے اُٹھ کے مُنّہ ہاتھ دھولو
اُٹھو سونے والو کہ مَیں آ رہی ہُوں

(اسمٰعیل میرٹھی)

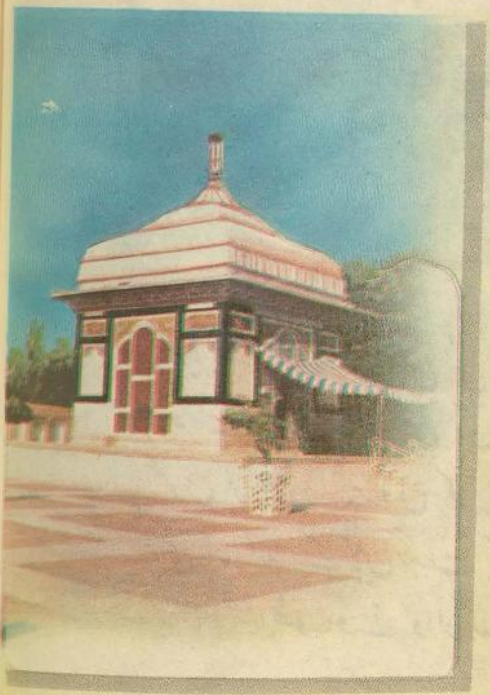

حضرت میاں میرؒ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت میاں میرؒ ایک مشہور بزرگ تھے۔ وہ سندھ میں پیدا ہوئے۔ میاں میرؒ ابھی سات سال کے تھے کہ اُن کے والد فوت ہو گئے۔ اُن کی والدہ نے اُنھیں پڑھایا لکھایا۔ وہ اُن کے لیے ہمیشہ یہ دُعا مانگتی تھیں: "میرے اللہ! میرے بیٹے کو اِس قابل بنا دے کہ ہر وقت تجھے یاد کرتا رہے اور لوگوں کو نیکی کی راہ دِکھاتا رہے۔"

میاں میرؒ بڑے ہو کر لاہور چلے آئے۔ یہاں وہ ایک بستی میں رہنے لگے، جسے اب اُن کے نام پر "میاں میر" کہتے ہیں۔ یہاں وہ ایک مسجد کے حجرے میں رہتے تھے۔

وہ بڑے نیک بزرگ تھے اور اپنا زیادہ وقت خدا کی عبادت میں گزارتے تھے۔ لوگ اُن کے پاس آتے تو وہ اُنھیں دین کی باتیں بتاتے اور اُن پر عمل کرنے کو کہتے۔ جو بھی اُن کی باتیں سُنتا، اُس

پر بہُت اثر ہوتا ۔

حضرت میاں میرؒ بہُت سادہ طریقے سے زِندگی گُزارتے تھے ۔ وُہ کھدّر کے کپڑے پہنتے تھے ۔ کپڑے مَیلے ہو جاتے تو خُود ہی دھو لیتے تھے ۔ خُود پاک صاف رہتے ، دُوسروں کو پاک صاف رہنے کی تعلیم دیتے تھے ۔ غرِیب امیر سب اُن کے پاس آتے تھے ۔ وُہ سب کو نصیحت کرتے اور دُعا دیتے ۔ وُہ امیروں سے کہا کرتے تھے "غریبوں کی مَدد کرو" اور غریبوں سے کہتے تھے "مِحنَت کر کے روزی کماؤ ، کِسی کے آگے ہاتھ نہ پھَیلاؤ "۔

شاہ جہاں جب ہندوستان کا بادشاہ بنا تو لاہور بھی آیا ۔ جب اُس نے حضرت میاں مِیرؒ کی شُہرت سُنی تو اُنھیں دربار میں آنے کی دعوت دی ۔ حضرت میاں مِیرؒ نے کہلا بھیجا "مَیں اِسی حجُرے میں خُوش ہُوں ۔ مجُھے آپ یہیں رہنے دیں تو مہربانی ہوگی "۔ بادشاہ نے یہ جواب سُنا تو اُن کی خِدمت میں خُود حاضِر ہُوا ۔ وُہ کچُھ دیر ان کی خِدمَت میں بیٹھا رہا ۔ اُنھوں نے اُسے نصیحت کی کہ بادشاہ کو چاہیے کہ ہمیشہ رعایا کی خبر رکھّے اور کِسی کے ساتھ نا اِنصافی نہ ہونے دے ۔

حضرت میاں میرؒ کے پاس اکثر لوگ دُعا کے لیے آتے تھے۔ وہ اُن سے کہتے "اپنا کام دِل لگا کر کرو اور نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگا کرو، وُہ تمھاری مُراد پُوری کرے گا۔" وہ کہا کرتے تھے "جو شخص دِل میں بُرا خیال نہیں آنے دیتا اور ایمان داری سے کام کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اُس کی دُعا قبُول کرتا ہے۔"

وُہ نصیحت فرماتے تھے "کبھی جھُوٹ نہ بولو۔ نرمی سے بات کیا کرو۔ اپنا کام محنت سے کرو، خُدا تمھیں محنت کا پھل دے گا۔"

حضرت میاں میرؒ نے زندگی بھر پیاری پیاری باتیں کیں۔ لوگوں کو دِین کے راستے پر چلایا اور ایک دُوسرے سے محبّت کرنے کی تعلیم دِی۔

حضرت میاں میرؒ ساٹھ سال لاہور میں رہے۔ آخر چند دِن بیمار رہ کر اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اُن کا عُرس ہر سال بڑی دُھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ عُرس میں ہزاروں لوگ شریک ہوتے ہیں۔

اِسلامی مُساوات

اِسلام سے پہلے امیر غریب میں بڑا فرق سمجھا جاتا تھا۔ امیر کی عزّت کی جاتی تھی اور غریب کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ اِس فرق کی وجہ سے بہُت سی خرابیاں پیدا ہو جاتی تھیں۔ نبیِّ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے اِس فرق کو مِٹایا اور مُساوات قائم کی۔ آپؐ نے اپنی اُمّت سے فرمایا: "اِنسان ہونے کے لحاظ سے سب برابر ہیں۔ اِن میں کوئی فرق نہیں"۔ اِس برابری کا نام "اِسلامی مساوات" ہے۔ حُضُورؐ نے اپنے آخری حج کے خُطبے میں بھی فرمایا:

"عَرَبی کو عَجَمی (غیر عَرَبی) پر، عَجَمی کو عَرَبی پر، سُرخ کو کالے پر اور کالے کو سُرخ پر، کوئی برتری حاصِل نہیں۔ برتری صِرف تقوٰی (اللہ سے ڈرنے) کی بُنیاد پر ہے"۔

مُساوات قائم کرنے کے لِیے جو کام حُضُورؐ نے کِیے، وُہ ہمیشہ ہماری رہنمائی کرتے رہیں گے۔

جب مُسلمان مکّے کے کافروں سے جنگ کرنے کے لِیے بدر کے مَیدان

کی طرف روانہ ہونے لگے تو ان کے پاس سواری کے لیے اُونٹ کم اور آدمی زیادہ تھے ۔ حُضُورؐ نے تین تین آدمیوں کے لیے ایک ایک اُونٹ مقرّر کیا اور فرمایا :" ایک اُونٹ پر دو آدمی سوار ہوں اور تیسرا پَیدل چلے ۔ پھر دو سواروں میں سے ایک اُتر کر پَیدل چلے اور پَیدل چلنے والا اُس کی جگہ سوار ہو ۔ پھر تیسرا پَیدل چلے ۔"

حُضُور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی سواری میں حضرت علیؑ اور ایک اور صحابی شریک تھے ۔ حُضُورؐ صِرف اپنی باری سے اُونٹ پر سوار ہوتے اور اپنی باری سے پَیدل چلتے تھے ۔ یہ سفر اِس بات کا عَمَلی سَبَق تھا کہ چھوٹے بڑے میں کوئی فرق نہیں ۔

حضرت ابوذرؓ غِفاری نبی کریمؐ کے صحابی تھے ۔ ایک دِن وُہ غُصّے میں اپنے خادِم سے بولے :" او حبشن کے بچّے !" یہ سُن کر نبیِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا :" اے ابوذر ! بس بس ! سفید رنگ کی عورت کے بچّے کو سیاہ رنگ کی عورت کے بچّے پر کوئی برتری حاصِل نہیں ۔ برتری تقوٰی سے ہوتی ہے ۔" یہ سُن کر ابُوذرؓ کی آنکھوں میں آنسُو بھر آئے ۔ اُنھوں نے خادِم سے مُعافی مانگی ۔

حضرت عُمرؓ اپنی خلافت کے زمانے میں شام کے مُلک کو جانے والے تھے ۔ ایک خادِم بھی اُن کے ساتھ تھا ۔ اُونٹ ایک ہی تھا ۔

اس پر سامان بھی لدا ہُوا تھا۔ اِس لیے صِرف ایک ہی آدمی سوار ہو سکتا تھا۔ سَفَر شُروع ہُوا تو حضرت عُمرؓ اور خادِم باری باری اُونٹ پر سَوار ہوتے اور باری باری پَیدل چلتے۔ اِسی طرح سفَر طے کرتے وُہ شام پُہنچ گئے۔

اِسلامی فوج کے مُجاہِد شہر سے باہَر نِکل کر حضرت عُمرؓ کی راہ دیکھ رہے تھے۔ عِیسائی یہ سَمجھتے تھے کہ مُسلمانوں کے خلیفہ بڑی شان و شوکت والے ہوں گے۔ اِس لیے وُہ بھی اُنھیں دیکھنے کے لِیے آگئے تھے۔ اِتنے میں گَرد و غُبار اُڑتا نظر آیا۔ پھر سوار اور حضرت عُمرؓ دِکھائی دِیے۔ کِسی عِیسائی نے مُسکراتے ہُوئے ایک مُجاہِد سے پُوچھا "یہی ہیں تُمھارے خلیفہ جو اُونٹ پر سوار ہیں؟" مُجاہِد نے جواب دِیا "نہیں، ہمارے خلیفہ تو وُہ ہیں جِن کے ہاتھ میں اُونٹ کی مہار ہے اور جو اُونٹ پر سوار ہے، وُہ اُن کا خادِم ہے۔" عِیسائی اِس مُساوات کو دیکھ کر حَیران رہ گئے۔

حضرت علیؓ کی خِلافت کا زمانہ تھا۔ ایک دفعہ وُہ اپنے خادِم کے ساتھ بازار گئے۔ اُس سے کہا "مُجھے کپڑے سِلوانے ہیں اور تُمھیں بھی کپڑوں کی ضَرورت ہے۔ تُم بزّاز کی دُکان سے کپڑا پسند کرو۔"

خادِم نے دُکان سے کپڑے پسند کیے ۔ حضرت علیؑ نے اُنھیں خرید لیا۔ حضرت علیؑ ایک جیسا کپڑا خریدنا چاہتے تھے لیکن خادِم نے دو الگ الگ قِسم کے کپڑے پسند کیے تھے ۔ اِن میں ایک قیمتی تھا ، دُوسرا سستا۔ حضرت علیؑ نے کپڑا درزی کو دِیا اور سستے کپڑے کے مُتعلّق کہا : "اِس سے میرے کپڑے تیّار کر دو" اور قیمتی کپڑے کے مُتعلّق کہا: "اِس سے میرے ساتھی کے کپڑے سی دو۔"

خادِم نے کہا : "آپ آقا اور امیر المؤمنین ہیں ۔ مَیں نے یہ قیمتی کپڑا آپ کے لیے پسند کیا ہے۔" حضرت علیؑ نے فرمایا: "مَیں بُوڑھا ہُوں اور تُم جوان ہو ۔ یہ لباس تُمھارے لیے زیادہ مُناسب ہے۔"

نبیِ کریمؐ نے مُساوات کو دِین کا حِصّہ بنا دِیا تھا جس پر مُسلمانوں نے سچّے دِل سے عمل کیا ۔ اِس طرح امیر اور غریب قانُون کی نظر میں برابر ہو گئے ۔ رنگ اور نسل کا فرق مِٹ گیا ۔ بادشاہ اور فقیر ایک ہی صَف میں آکھڑے ہُوئے ۔ ہمیں بھی چاہیے کہ سب کو برابر سمجھیں اور سب کو برابری کا حق دیں ۔

اپنا اپنا شوق

عابد اچھّا بچّہ ہے ۔ اُسے تصویریں جمع کرنے کا بہُت شوق ہے ۔ اُس نے ایک اَلبم بنا رکھّا ہے ۔ اُسے جو تصویر اچھّی لگتی ہے ، کاٹ کر اَلبم میں لگا لیتا ہے۔ اُس کے اَلبم میں بڑی خُوب صُورت تصویریں ہیں ۔ بڑے بڑے آدمیوں کی تصویریں ، مَشہُور عمارتوں کی تصویریں ، جانوروں کی تصویریں۔ اُس اَلبم میں پاکِستان سے مُتعَلِّق بہُت سی تصویریں ہیں ۔ جو بھی انھیں دیکھتا ہے ، خُوش ہوتا ہے ۔

زاہدہ تیسری جماعت میں پڑھتی ہے ۔ اُسے کِتابیں جمع کرنے اور پڑھنے کا بہُت شوق ہے ۔ وُہ

جب بھی بازار جاتی ہے، کتاب خرید لاتی ہے ۔ بہت سی کتابیں تو اُسے تحفے میں ملی ہیں ۔ وُہ کتابوں کا تحفہ لے کر بہت خوش ہوتی ہے۔ زاہدہ نے اپنی کتابوں پر نمبر لگا رکھے ہیں ۔ اگر کوئی کتاب پڑھنے کو مانگے تو وُہ خوشی سے دے دیتی ہے ۔

سلمان لائق بچّہ ہے ۔ اُسے تصویریں بنانے کا بہت شوق ہے۔ وُہ جب بھی پڑھنے لکھنے سے فارغ ہوتا ہے ، تصویر بنانے بیٹھ جاتا ہے ۔ سب اُسے " مُصوّر " کہتے ہیں ۔ اُس نے اپنی اچھّی اچھّی تصویریں اَلبم میں لگا رکھّی ہیں ۔ دیکھیے یہ سلمان کا اَلبم ہے ۔ ایک تصویر میں بچّہ پتنگ اُڑا رہا ہے ۔ دُوسری میں کسان فصل کاٹ رہا ہے ۔ بھئی واہ ! تیسری تصویر تو اور بھی پیاری ہے ۔ پہاڑ ، دَرخت ، چشمہ اور چشمے کے اِرد گرد پھُول ۔ سلمان تو واقعی مُصوّر ہے ۔

عائشہ پڑھنے میں بہت تیز ہے ۔ لیکن اُسے کھیل سے بھی بڑی محبّت ہے ۔ جب فارغ ہو تو گڑیا کا گھر بناتی ہے ۔ اُس کے کپڑے سیتی ہے ۔ ان پر گوٹا لگاتی ہے ۔ موتی ٹانکتی ہے ۔ اُس کے پاس بہت سی گڑیاں ہیں ۔ چھوٹی ، بڑی ، کالی ، گوری ، لمبے

بالوں والی گڑیا ، چھوٹے بالوں والی گڑیا ۔ اُسے گڑیاں جمع کرنے کا بہُت شوق ہے ۔

عائشہ کے بھائی طارِق کا شوق سب سے الگ ہے ۔ اُس نے اپنے گھر میں بہُت سے گملے رکھے ہُوئے ہیں ۔ وُہ اِن گملوں میں پھُولوں کے پوَدے لگاتا ہے ۔ جب فارغ ہو تو گملوں کی صفائی کرتا ہے ۔ اِن پر گیرو پھیرتا ہے ۔ پوَدوں کو پانی دیتا ہے ۔ اُسے بہُت سے پھُولوں کے نام یاد ہیں ۔ اُسے یہ بھی معلُوم ہے کہ کِس موسم میں کوَن سے پھُول کا پوَدا لگانا چاہیے ۔

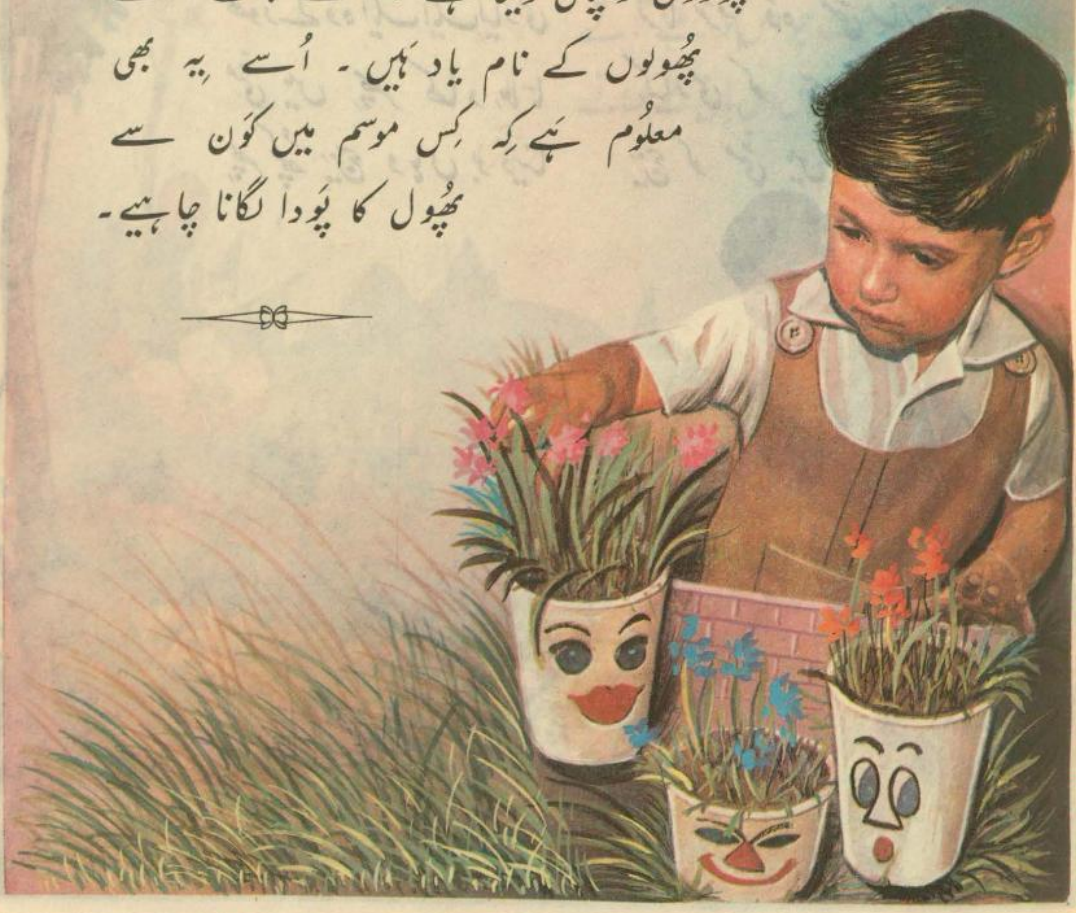

اَشرف کا باغ

اشرف نے اِک باغ لگایا
پودوں اور پھُولوں سے سجایا

لِکھ پڑھ کر جب گھر وُہ آتا
بستہ رکھتا ، کھانا کھاتا

کھانا کھا کر وُہ سو جاتا
سو کر اُٹھتا ، باغ کو جاتا

کھود کے وُہ ایک ایک کِیاری
کرتا نرم وُہ مٹّی ساری

مٹّی میں پھر کھاد مِلاتا
کِیاری کو ہموار بناتا

پھر کچھ بِیج وہاں بو دیتا
بِیج کو مٹّی میں کھو دیتا

روز خبر وُہ اُن کی لیتا　　وَقت پہ اُن کو پانی دیتا
اچھّے اچھّے پَودے اُگتے　　آ کے پرنّدے اُن پہ چہکتے
جُوہی کِھلتی ، بیلا کِھلتا　　چَمپا کِھلتی ، گیندا کِھلتا
پَھل بھی میٹھے میٹھے آتے　　اپنا اپنا رنگ جماتے
اشرف یہ پَھل آپ بھی کھاتا　　اور سب گھر والوں کو کِھلاتا

دوشت جو اس کو ملنے آتے
وُہ بھی پَھل اِس باغ کے کھاتے

(نیّر)

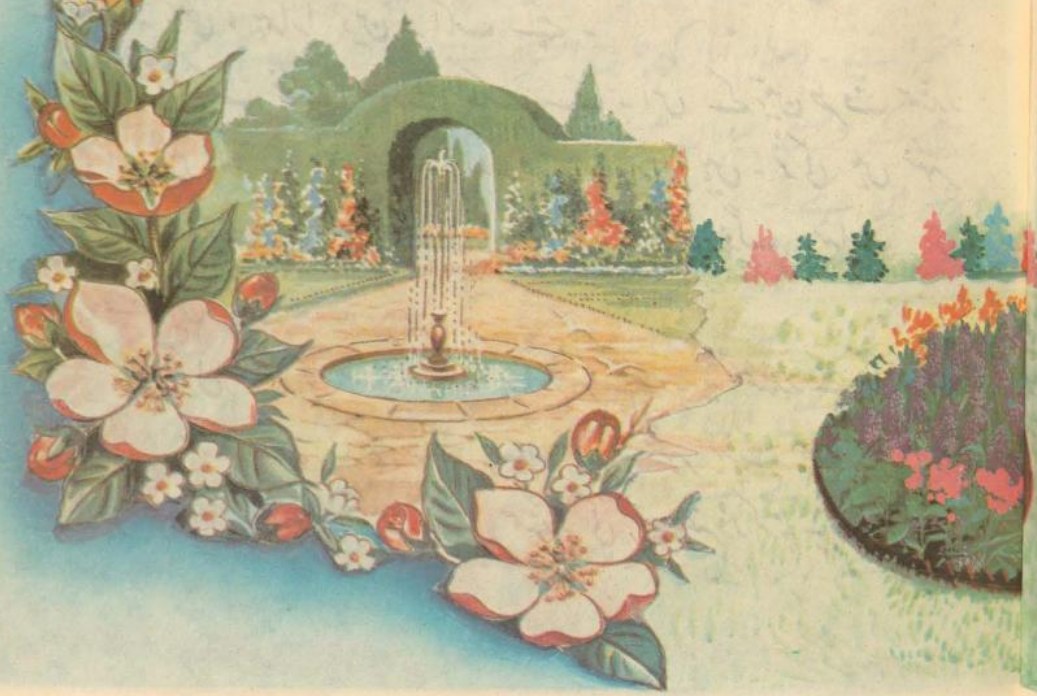

تُرکی

بچّو! آپ نے تُرکی کا نام تو سُنا ہوگا۔ تُرکی ہمارا دوست مُلک ہے۔ یہ ہمارا سچّا اور پکّا دوست ہے۔ ہم تُرکوں سے مَحبّت کرتے ہیں۔ تُرک بھی ہم سے مَحبّت کرتے ہیں۔ ہم ہمیشہ ایک دُوسرے کے دُکھ سُکھ میں شریک رہتے ہیں کیونکہ ہمارا رِشتہ بڑا پُرانا ہے۔ ہم ایک خُدا اور ایک رسولؐ کو مانتے ہیں۔ ہماری بولی ایک نہیں تو نہ سہی، ہمارا دِین تو ایک ہے۔

تُرکی ایک خُوب صُورت مُلک ہے۔ اُس کے تین طرف سمندر ہے۔ اس میں اُونچے اُونچے پہاڑ اور وسیع مَیدان ہیں۔ تُرکی میں شہر بھی ہیں اور دیہات بھی۔ پاکِستان کی طرح زیادہ تر لوگ دیہات ہی میں رہتے ہیں۔

اِستنبول تُرکی کا سب سے بڑا شہر ہے۔ یہ سمندر کے کنارے واقع ہے۔ سمندر کے ساتھ ساتھ پھیلا ہُوا یہ شہر بہُت بھلا معلُوم ہوتا ہے۔ جو بھی اِس شہر میں آتا ہے، سمندر کی سَیر ضرُور کرتا ہے۔ اِس

شہر میں پُرانے زمانے کی عمارتیں اور عالی شان مسجدیں دیکھنے سے تعلّق رکھتی ہیں۔

تُرکی کا صَدر مقام اَنقرہ ہَے۔ یہ شہر بَہُت خُوب صُورت اور صاف سُتھرا ہَے۔ اِسلام آباد کی طرح اَنقرہ کے چاروں طرف بھی پہاڑیاں ہَیں۔ بِیچ کے وسیع مَیدان میں اَنقرہ آباد ہَے مُصطفیٰ کمال کا مزار بھی اِسی شہر میں ہَے۔

مُصطفیٰ کمال کا نام تو آپ نے سُنا ہوگا۔ تُرکی کے لوگ اُنھیں "اَتا تُرک" کہتے ہَیں۔ اَتا تُرک کا مَطلَب ہَے "تُرکوں کا باپ"۔

مُصطفیٰ کمال کا تُرکوں پر بَہُت اِحسان ہَے۔ تُرکی کمزور ہوچُکا تھا۔ مُصطفیٰ کمال نے اِسے طاقت وَر بنایا۔ تُرکی ایک غریب مُلک تھا۔ مُصطفیٰ کمال نے اِسے خُوش حال بنایا۔ اِسی لِیے تُرک اُنھیں اپنا باپ سَمجھتے ہَیں۔ اُن

کی بے حد عزّت کرتے ہیں ۔ اِتنی ہی عزّت جتنی ہم حضرت قائدِ اعظمؒ کی کرتے ہیں ۔

تُرک خُوش مزاج ، محنتی اور بہادُر ہیں ۔ آپ ان کے مُلک میں جائیں تو وُہ آپ کی بہُت عزّت کریں گے ۔ آپ کو قہوہ پلائیں گے ، کھانا کھلائیں گے ، پھل پیش کریں گے ۔ وُہ مہمانوں کی بہُت قدر کرتے ہیں۔

تُرکی کے اکثر لوگ کھیتی باڑی کرتے ہیں ۔ باغ لگاتے ہیں۔ وہاں ناشپاتی ، سیب ، انگور اور اِنجیر کے باغ کثرت سے ہیں ۔ تُرکی کے پھل نہایت لذیذ ہوتے ہیں ۔ وہاں تربُوز اور خربُوزے بھی ہوتے ہیں ۔

تُرک بچّے بھی بہُت چُست اور ہوشیار ہوتے ہیں ۔ اپنے بڑوں کی طرح خُوش مزاج اور محنتی ہیں ۔ اُنھیں تعلیم حاصل کرنے کا بہُت شوق ہے ۔ اِسی لیے تُرکی کے گاؤں گاؤں میں مدرسے کھُلے ہُوئے ہیں ۔ گھر گھر علم کا چرچا ہے ۔

تُرکوں کا رہن سہن ہم سے بہُت ملتا جُلتا ہے ۔ ان کے طور طریقے بالکل ہمارے جیسے ہیں ۔

مُطالعے کا شَوق

فرح تیسری جماعت میں پڑھتی ہے۔ اُسے مُطالعے کا بَہُت شَوق ہے۔ بچّوں کے رِسالے اُسے بَہُت پسند ہیں۔ وُہ تو یہ چاہتی ہے کہ اُسے ہر روز ایک نیا رِسالہ مِلے۔ اُردُو کے اخبار میں وُہ بچّوں کا صفحہ دیکھ کر بَہُت خُوش ہوتی ہے۔ اُسے شَوق سے پڑھتی ہے۔ فرح کے اَبّا اَور اَمّی اپنی بچّی کو مُطالعے میں مصرُوف دیکھ کر بَہُت خُوش ہوتے ہیں۔ وُہ یہ چاہتے ہیں کہ فرح کا یہ شَوق اور بڑھے۔ اِس لِیے وُہ اُسے اُردُو کی نئی نئی کِتابیں اور رِسالے خرِید کر دیتے رہتے ہیں۔

فرح کی اُستانی بھی مُطالعے کے شَوق کو پسند کرتی ہے۔ وُہ مَدرَسے کی لائبریری سے فرح کو اچھّی اچھّی کِتابیں پڑھنے کے لِیے دیتی ہے۔ فرح یہ کِتابیں پڑھ کر اُستانی کو واپس کر دیتی ہے۔ فرح کو بَہُت سی کہانیاں، نظمیں، لطیفے اور پہیلیاں زبانی یاد ہیں۔ جماعت میں کہانی

سُنانے کی بات ہو تو فرح سب سے آگے ہوتی ہے ۔ نظم یا ترانہ گانا ہو تو فرح سب سے آگے ، پہیلیاں اور لطیفے سُنانا ہوں تو بھی سب سے آگے ۔

فرح کی سب ہم جماعتوں کو مُطالعے کا شوق ہے ۔ فرح کا اُن سے خُوب مُقابلہ رہتا ہے ۔ فرح کی اُستانی نے مُقابلے کا ایک چارٹ بنا رکھا ہے ۔ اِس چارٹ پر ہر بچّے کا نام درج ہے ۔ ہر نام کے سامنے اُن کتابوں کے نام درج ہیں جو اِس بچّے نے ایک ماہ میں پڑھی ہیں ۔ آئیے اِس چارٹ کو دیکھیں ۔ بھئی واہ ! فرح تو واقعی سب سے آگے ہے ۔ اُس کی جماعت کے بہُت سے بچّے اُس سے آگے نِکلنا چاہتے ہیں ۔ آج کل اُن میں خُوب مُقابلہ ہو رہا ہے ۔ دیکھیے اَگلے ماہ کون بازی لے جاتا ہے ۔

کیا آپ فرح سے مِلنا پسند کریں گے ؟ وُہ دیکھیے فرح مُطالعے میں مصرُوف ہے ۔ خُود دری پر بیٹھی ہے کتاب تپائی پر رکھّی ہے ۔ نظریں کتاب پر جمی ہُوئی ہیں ۔ وُہ مُطالعے میں اِس قدر مَصرُوف ہے کہ اُسے یہ بھی عِلم نہیں کہ ہم اُسے دیکھ رہے ہیں ۔ مُطالعہ ہو تو ایسا ہو ۔ ذرا سُنیے تو ۔ فرح کے پڑھنے کی آواز تو نہیں آ رہی ۔ نہیں، بالکل نہیں ۔ مُطالعہ تو خاموشی ہی سے کیا جاتا ہے ۔ نہ زبان ہلتی

ہے نہ ہونٹ ۔

ذرا دیکھیے ! کہیں فرح کتاب پر اُنگلی تو نہیں پھیر رہی ۔ نہیں ، بالکل نہیں ۔ پڑھتے وقت ہر سطر پر اُنگلی رکھنا اچھی عادت نہیں ہے ۔ معلوم ہوتا ہے فرح مطالعے کے آداب اور طریقوں سے خوب واقف ہے ۔ بالکل سیدھی بیٹھی ہے ۔ آنکھوں سے کتاب کا فاصلہ کوئی ایک تہائی میٹر ہوگا ۔ اس کے کمرے میں روشنی بھی خوب ہے ۔ لیجیے فرح پڑھتے پڑھتے مسکرانے لگی ۔ معلوم ہوتا ہے کوئی مزے دار کہانی پڑھ رہی ہے ۔ شاید کوئی لطیفہ ہی ہو !

فرح کے پڑھنے کی رفتار بھی خاصی تیز معلوم ہوتی ہے ۔ جب سے ہم اُسے دیکھ رہے ہیں ، اس نے تین صفحے پڑھ لیے ہیں ۔ رفتار تیز نہ ہو تو وہ اِتنی کتابیں کیسے پڑھے ۔ وہ دیکھیے سامنے الماری میں فرح کی کتابیں اور رسالے رکھے ہیں ۔ فرح یہ سب کی سب کتابیں پڑھ چکی ہے ۔

سویا ہُوا محل (1)

ایک مُلک کا بادشاہ اور اُس کی مَلِکہ بَہُت اُداس رہتے تھے۔ اُن کے پاس سب کُچھ تھا، لیکن اَولاد نہ تھی۔ آخر اُن کے ہاں ایک لڑکی پَیدا ہُوئی۔ وُہ دونوں بَہُت خُوش ہُوئے۔ اس خُوشی میں بادشاہ نے بَہُت بڑی دعوت کرنے کا حُکم دِیا۔ دعوت میں سات پریوں کو بھی بُلایا لیکن ایک بُوڑھی پری کو بُلانا بھُول گیا۔ یہ پَری جادُوگرنی تھی۔ جب اُسے پتا چلا کہ بادشاہ نے اُسے دعوت میں نہیں بُلایا تو اسے سخت غُصّہ آیا۔

دعوت میں بڑے بڑے لوگ آئے۔ سات پریاں بھی آئیں۔ جب شاہزادی کو تُحفے دینے کا وَقت آیا تو ایک پَری نے کہا: "مَیں شاہزادی کے لِیے خُوبصُورتی کا تُحفہ لائی ہُوں۔" دُوسری بولی: "مَیں نغمے کا تُحفہ دیتی ہُوں۔" تیسری نے کہا: "مَیں اچھّی

عادتوں کا تحفہ پیش کرتی ہُوں "۔ چوتھی بولی :" میری طرف سے سچ کا تحفہ لیجیے "۔ پانچویں نے صحّت کا تحفہ دِیا ۔ چھٹی نے علم کا تحفہ پیش کیا۔ ساتویں پری جو سب سے چھوٹی تھی ، اُس نے شاہزادی کو جان کی حفاظت کا تحفہ دِیا ۔

اِتنے میں بُوڑھی پری بھی آگئی ۔ وُہ غُصّے سے تھر تھر کانپ رہی تھی ۔ وُہ شاہزادی کے پنگوڑے کے پاس آئی اور چلّا کر بولی : "شاہزادی کے، تکلے کی نوک چُبھے گی اور وُہ مَر جائے گی ۔ میرا تحفہ یہی ہے "۔ یہ سُن کر بادشاہ اور مَلِکہ بہُت ڈرے ۔ اِتنے میں ایک ڈراؤنی آواز آئی اور پری غائب ہوگئی ۔

بُوڑھی پری کے جاتے ہی سب سے چھوٹی پری بولی " بادشاہ سلامت! گھبرانے کی کوئی بات نہیں ۔ شاہزادی کے تکلا ضرُور چُبھے گا مگر وُہ مرے گی نہیں بلکہ گہری نیند سو جائے گی اور سَو سال تک سوتی رہے گی ۔ اس کے بعد ایک شاہزادہ آکر شاہزادی کو جگائے گا ۔ اس طرح سارا جادُو ختم

ہو جائے گا۔"

ہوتے ہوتے شاہزادی سولہ سال کی ہو گئی۔ ایک دفعہ بادشاہ اور ملکہ کسی دوسرے ملک کے بادشاہ سے ملنے گئے اور شاہزادی کو محل ہی میں چھوڑ گئے۔ شاہزادی سیر کر رہی تھی۔ سیر کرتے کرتے وہ محل کے ایک ایسے حصّے میں گئی جہاں وہ پہلے کبھی نہیں گئی تھی۔ وہاں اُس نے ایک بُڑھیا کو دیکھا جو چرخہ کات رہی تھی۔

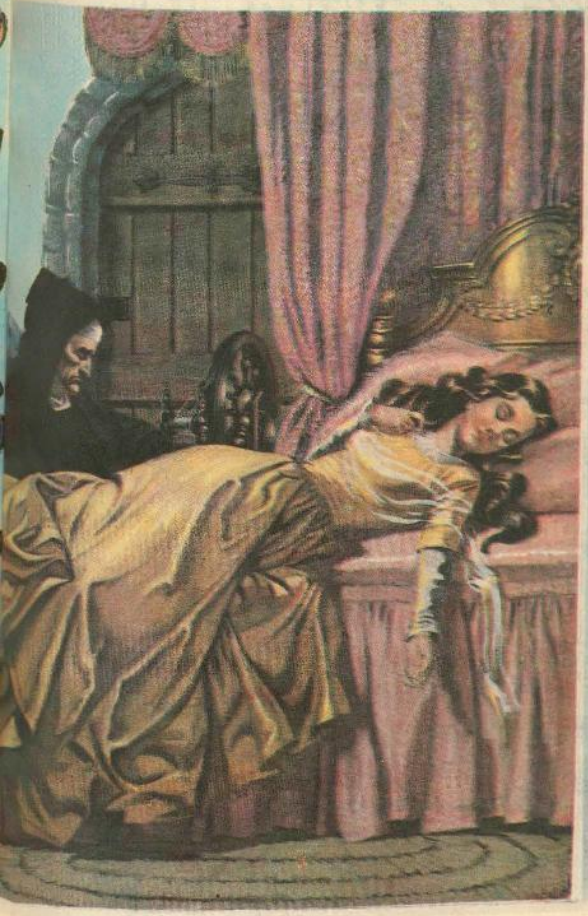

شاہزادی کا جی چاہا کہ میں چرخہ چلاؤں۔ اُس نے بُڑھیا سے کہا: "بڑی بی! مجھے چرخہ چلانے دو۔" بُڑھیا ہٹ گئی تو شاہزادی نے چرخہ زور زور سے چلایا۔ اچانک اس کے بائیں ہاتھ میں تکلے کی نوک چُبھ گئی۔ تکلے کی نوک چُبھتے ہی شاہزادی بے ہوش ہو گئی۔

سویا ہُوا محل (2)

بادشاہ اور مَلِکہ واپس آئے تو اُنھیں شاہزادی کے مُتعلّق بتایا گیا، وُہ بَہُت گھبرائے ۔ دیکھا تو شاہزادی بے ہوش پڑی تھی ۔ بُوڑھی پری کا جادُو شُروع ہو چُکا تھا ۔ اِتنے میں چھوٹی پری آئی ۔ اُس نے سوچا کہ سَو سال بعد تو شاہزادی اکیلی رہ جائے گی ۔ اس کے ماں باپ نہیں ہوں گے ۔ اُس نے ہاتھ ہِلا کر سارے محل پر جادُو کر دیا ۔ سب لوگ سو گئے ۔ اس نے پھر ہاتھ ہلایا تو محل کے اِرد گِرد جنگل اُگ آیا ۔

سَو سال گزر گئے ۔ اِتّفاق سے ایک شاہزادہ شِکار کھیلتا ہُوا اُدھر آ نِکلا، اُس نے دُور سے محل کے بُرج دیکھے ۔ اُس نے اپنے ساتھیوں سے ان بُرجوں کا حال پُوچھا لیکن اِن میں سے کوئی بھی اسے بُرجوں کا حال نہ بتا سکا ۔ آخر ایک بُوڑھے کِسان نے شاہزادے کو سوئے ہُوئے محل کی کہانی سُنائی ۔ اُس نے یہ کہانی اپنے بُوڑھے باپ سے سُنی تھی ۔ اُس نے بتایا کہ شاہزادی اور محل پر کِسی

نے جادُو کر رکھا ہے ۔ اس جادُو کا اثر سَو سال تک قائم رہے گا اور سَو سال بعد ایک شاہزادہ آئے گا، جو شاہزادی کو جگائے گا۔ اِس طرح یہ جادُو ٹوٹ جائے گا ۔ یہ سُن کر شاہزادہ محل کی طرف چل پڑا ۔

شاہزادہ محل کے اندر داخِل ہُوا تو وہاں عجیب حالت دیکھی۔ لوگوں کے ہاتھوں میں چائے کی پیالیاں تھیں مگر وُہ سو رہے تھے۔ باوَرچی نے چمچہ دیگ میں ڈال رکھا تھا، لیکن وُہ سو رہا تھا۔ باورچن برتن دھوتے دھوتے سو گئی تھی ۔ ایک بِلّی چُوہے کے بِل میں مُنہ ڈالے سو رہی تھی ۔ دَرَبان صَف باندھے کھڑے کھڑے سو رہے تھے ۔

اب شاہزادہ اُوپر کی منزِل میں گیا۔ چلتے چلتے وُہ اُس کمرے میں داخِل ہُوا جہاں شاہی تاج رکھا ہُوا تھا، اس کمرے میں بادشاہ اور مَلِکہ بَیٹھے بَیٹھے سو رہے تھے ۔ پھر وُہ

ایک اور کمرے میں گیا ۔ وہاں اُس نے دیکھا کہ ایک شاہزادی سو رہی ہے ۔ وُہ سمجھ گیا کہ یہ وُہی شاہزادی ہے جس کو جادُو کر کے سُلا دیا گیا تھا ۔ شاہزادے نے فورًا اُس شاہزادی کے سر کو چھُوا ۔ ہاتھ لگاتے ہی جادُو ٹُوٹ گیا اور شاہزادی جاگ اُٹھی ۔

شاہزادی کے جاگتے ہی سارا محل جاگ اُٹھا ، ہر طرف چہل پہل ہو گئی ۔

بادشاہ اور مَلِکہ بھی جاگ اُٹھے تھے ۔ وُہ شاہزادی کو دیکھ کر بہُت خُوش ہُوئے ۔ شاہزادے نے اُنھیں سوئے ہُوئے محل کی ساری باتیں بتائیں ۔ بادشاہ اور مَلِکہ نے شاہزادے کو اپنے پاس رکھ لیا اور شاہزادی کی شادی اس کے ساتھ کر دی ۔ سب ہنسی خُوشی رہنے لگے ۔

ساری دُنیا اپنا گھر ہے

ساری دُنیا اپنا گھر ہے — مِل کر اِسے سجاؤ
آپا دھاپی چھوڑ کے بچّو! — پیار کے دِیے جلاؤ

کیسا غُصّہ کیسی خفگی! — کیسی مار کُٹائی
جو پھنستے ہیں اِن باتوں میں — وُہ شیطان کے بھائی

اچھّی اچھّی باتیں سیکھیں — سچّائی کو مانیں
جو اچھّے ہیں اِس دُنیا میں — اُن کو اپنا جانیں

مِل کر کھیلیں مِل کر کھائیں — مِل کر سیر کو جائیں
رنگ رنگیلے پھُولوں والا — پیار کا باغ لگائیں

اُس سچّے خالق نے بچّو! — اِنساں ہمیں بنایا
عقل کا نُور عطا فرما کر — رُتبہ خُوب بڑھایا

اچھّے اچھّے کاموں سے اب — اپنی شان بڑھاؤ
ساری دُنیا اپنا گھر ہے — مِل کر اِسے سجاؤ

(نظر زیدی)

بچّوں کا عالمی دِن

بچّے خواہ کِسی مُلک کے ہوں، وُہ ساری دُنیا کے بچّے ہَیں۔ بچّے صِرف اپنے گھر یا مُلک ہی کی دَولت نہیں، وُہ پُوری دُنیا کی دَولت ہَیں۔ اِن کا رنگ گورا ہو یا کالا، ان کی آنکھیں بڑی ہوں یا چھوٹی، دُنیا کے سبھی لوگ اِن سے پیار کرتے ہَیں۔ یہی بچّے کل کو جوان ہوں گے۔ اپنے وَطن کی خِدمت کریں گے۔ پُوری دُنیا کی ترقّی کے لِیے مِحنَت کریں گے۔ ہم سب چاہتے ہَیں کہ بچّے پھلیں پھُولیں اور جَلد جوان ہوں۔

خُدا نے سب بچّوں کو ایک سا بنایا ہَے لیکن سب بچّوں کو زِندگی میں ایک جیسی سہُولتیں حاصِل نہیں۔ بعض مُلک ایسے ہَیں جہاں سب بچّوں کے لِیے سکُول مَوجُود ہَیں لیکن بعض مُلک اَیسے بھی ہَیں جہاں سب بچّوں کے لِیے سکُول مَوجُود نہیں۔ دُنیا کے بعض حِصّوں کے بچّے بڑے توانا اور تندرُست۔

ہیں لیکن بعض حصّے ایسے بھی ہیں جہاں بچّے کمزور ہیں اور اکثر بیمار رہتے ہیں۔ یہ فرق اِس لیے ہے کہ ایک بچّہ امیر مُلک میں پیدا ہُوا ہے اور دُوسرا غریب مُلک میں۔ لیکن اِس میں بچّے کا کیا قصُور!

دُنیا کے سب بچّے برابر ہیں خواہ وُہ کِسی مُلک میں رہتے ہوں۔ سب بچّوں کا یہ حق ہے کہ اُنھیں اچھّی غذا ملے۔ اُن کی تعلیم کے لیے مَدرَسے ہوں۔ کھیل کے مَیدان ہوں۔ اُنھیں علاج کی سہُولت حاصِل ہو۔ وُہ تندرُست و توانا ہوں اور بڑے ہوکر دُنیا کی خِدمت کریں۔

اِس مقصد کو حاصِل کرنے کے لیے سب مُلکوں نے مِل کر ایک اِدارہ بنایا ہے۔ اِس اِدارے کا نام ہے "بچّوں کا عالمی اِدارہ"۔ یہ اِدارہ دُنیا کے تمام بچّوں کی خِدمت کرتا ہے۔ خاص طَور پر اُن مُلکوں کے بچّوں کی خِدمت کرتا ہے جو غریب ہیں۔ یہ اِدارہ بچّوں کی صِحّت، غذا اور تعلیم کو بہتر بنانے کے لیے بہُت کام کر رہا ہے۔ یہ اِدارہ سکُولوں کے لیے پڑھنے لکھنے کا سامان بھی دیتا ہے۔

اِس اِدارے کو بنے قریباً اڑتیس سال ہوگئے ہیں۔ اِس عرصے میں اِس اِدارے نے دُنیا کے سب بچّوں کی خِدمت کی ہے۔ یہ اِدارہ ہمارے مُلک میں بھی کام کر رہا ہے۔ اِس اِدارے کو بچّوں سے مَحبّت ہے۔ یہ ہر اُس کام میں خُوشی سے حِصّہ لیتا ہے جِس کام کا تعلّق بچّوں کی بہتری سے ہو۔ یہ اِدارہ ہر سال بچّوں کا عالمی دِن مناتا ہے۔ اُس دِن دُنیا کے مُلک مُلک اور شہر شہر میں جلسے ہوتے ہیں۔ لوگوں میں یہ جذبہ پیدا کیا جاتا ہے کہ وُہ بچّوں کی خِدمت کے لِیے اِس اِدارے کا ساتھ دیں۔

بچّوں کے عالمی دِن کے موقع پر بچّوں کے جلسوں کا بھی اِنتظام ہوتا ہے۔ بچّے اِن جلسوں میں تقریریں کرتے ہیں۔ نظمیں پڑھتے ہیں اور اِنعام پاتے ہیں۔ اِس موقع پر کھیلوں کے مقابلے بھی کرائے جاتے ہیں۔ عالمی دِن کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ دُنیا کے سب بچّے یہ دِن مِل جُل کر ہنسی خُوشی سے گزاریں، اور یہ عہد کریں کہ وُہ بڑے ہوکر پُوری دُنیا کی خِدمت کریں گے۔

بچّوں کا عالمی اِدارہ بچّوں کی بہتری کے لِیے بہُت مُفید کام کر رہا ہے۔ ہم اِس اِدارے کی قدر کرتے ہیں اور دُعا کرتے ہیں کہ یہ اِدارہ ہمیشہ بچّوں کی بہتری کے لِیے اچھّے اچھّے کام کرتا رہے۔

عزیز بھٹّی شہید

میجر عزیز بھٹّی قوم کے بہادُر بیٹے تھے۔ اُنھوں نے مُلک کی حِفاظت بڑی بہادُری سے کی۔ حِفاظت کرتے کرتے اپنی جان قُربان کر دی۔

عزیز بھٹّی ضِلع گجُرات کے ایک گاؤں لادیاں کے رہنے والے تھے۔ اُنھیں بچپن ہی سے سپاہی بننے کا بہُت شوق تھا۔ وُہ بڑے ہونہار تھے۔ اُنھوں نے پڑھائی میں دِل لگا کر مِحنَت کی۔ تعلیم پاکر فوج میں بھرتی ہوگئے۔ اُنھوں نے کاکُول میں فَوجی تَربیَت حاصِل کی۔ یہاں بھی اُنھوں نے خُوب مِحنَت کی۔ فَوجی تَربیَت میں اوّل آنے والے کو اِنعامی تلوار مِلتی ہَے، اور لِکھنے پڑھنے میں اوّل آنے والے کو تمغا مِلتا ہَے۔ اُس سال یہ دونوں اِنعام عزیز بھٹّی کو مِلے۔ تَربیَت حاصِل کر کے آپ فَوج میں شامِل ہوگئے۔ اچھّے کام کرنے کی وجہ سے جَلد ہی میجر ہوگئے۔

ستمبر 1965ء کی ایک اندھیری رات میں ہمارے پڑوسی مُلک بھارت

نے پاکستان پر حملہ کر دیا ۔ حملہ کرنے والوں کا خیال تھا کہ وُہ رات ہی رات میں لاہور پہُنچ جائیں گے ۔ راستے میں ایک نہر پڑتی ہے ۔ دُشمن کی فَوج یہ نہر پار کر کے لاہور میں داخِل ہونا چاہتی تھی ۔ عزیز بھٹّی اور اُن کے ساتھی نہر کے اِس کنارے تھے ۔ اُنھوں نے دُشمن کو نہر کا پُل پار نہیں کرنے دِیا ۔ دُشمن نے بَہُت زور مارا ، توپوں اور ٹینکوں سے سَیکڑوں گولے برسائے لیکن عزِیز بھٹّی اور اُن کے ساتھیوں نے اُن کو آگے نہ بڑھنے دِیا ۔

دُشمَن نے اپنے فَوجیوں کا حَوصلہ بڑھایا اور اُنھیں کہا : " ہم بَہُت جَلد لاہور پہُنچ جائیں گے اور دوپہر کا کھانا لاہور میں کھائیں گے ۔" دُشمَن کی فوج آگے بڑھی۔ کچھ دَستے ہمارے اَگلے مورچوں کی طرف بھی بڑھ آئے ۔ اُنھوں نے عزِیز بھٹّی کے مُجاہِدوں کو گھیرے میں لینے کی کوشِش کی ۔ اب عزِیز بھٹّی نے مِشین گن

سنبھالی اور اپنے جوانوں کو ساتھ لے کر دُشمن کی طرف بڑھے۔ ان کی گولیوں کی بوچھاڑ سے دُشمن کے سپاہی ایک ایک کر کے گرتے رہے۔

عزیز بھٹی تین دِن اور تین رات سے برابر لڑ رہے تھے۔ اُنھوں نے لوہے کی دِیوار کی طرح دُشمن کا راستہ روک رکھّا تھا۔ اُن کے کمانڈر نے کہا: "عزیز! تُم کئی دِن سے برابر لڑ رہے ہو، تُم نے پَل بھر آرام نہیں کیا۔ اب کچھ دِیر آرام کر لو۔" عزیز بھٹی نے جواب دِیا: "جناب! مَیں اِس نہر کو نہیں چھوڑ سکتا۔ مَیں اِس کی حِفاظت کرتے کرتے جان دے دُوں گا۔"

اِتنے میں دُشمن کے ٹینک اور توپیں گولے برسانے لگیں۔ اِس مَوقع پر عزیز بھٹی اپنی جان کی پروا نہ کرتے ہوئے نہر کے اُونچے کنارے پر پُہنچ گئے۔ اُن کے ساتھی مُجاہدوں نے اُن سے کہا کہ وُہ اُونچی جگہ پر نہ ٹھہریں، وہاں حِفاظت کا کوئی اِنتظام نہیں۔ اُنھوں نے کہا: "مَوت کا ایک وَقت مُقرّر ہے، وُہ ٹل نہیں سکتا۔ مَیں یہیں اَپنا کام کروں گا کیونکہ مَیں اُونچی جگہ ہی سے دُشمن کی حَرکت کو دیکھ سکتا ہُوں۔"

عزیز بھٹی نہر کے چھے سات مِیٹر اُونچے کنارے پر کھڑے

دُشمَن کی ہر حرکت کو دیکھتے اور اپنے ساتھیوں کو ہِدایَت دیتے رہے ۔ اُن کی ہِدایَت پر ٹھیک ٹھیک نِشانوں پر گولے برسائے جاتے رہے ۔

اِتنے میں دُشمَن کے تین ٹینک آگے بڑھے ۔ دو ٹینکوں کو تو مُجاہِدوں نے تباہ کر دِیا لیکن تیسرے ٹینک کا ایک گولا عزیز بَھٹّی کے آ لگا جس سے وُہ وہیں شہید ہو گئے ۔ اُنھوں نے جان دے دی لیکن دُشمَن کو اپنے پیارے وَطن کی سَرزمین پر قدم نہیں رکھنے دِیا۔

عزیز بَھٹّی نے وَطن پر جان قُربان کر کے جِہاد کا حق ادا کر دِیا۔ بہادُر شہید کو فَوج کا سب سے بڑا اِعزاز "نِشانِ حَیدَر" دِیا گیا ۔ اُن کی بَہادُری کی یادگار بھی تعمِیر کرائی گئی ۔

عزیز بَھٹّی شہید کی یاد بَہادُری کا نِشان بن کر ہمارے دِلوں میں ہمیشہ تازہ رہے گی ۔

زمین کی دولت

اللہ تعالیٰ نے ہمیں بے شمار نعمتیں عطا کی ہیں۔ ہوا، پانی، سورج، چاند اور تارے سب اللہ کی نعمتیں ہیں۔ انھی نعمتوں میں سے ایک نعمت زمین بھی ہے۔ دُنیا میں ہر طرف جو بہار نظر آرہی ہے، وُہ سب زمین ہی کی وجہ سے ہے۔ زمین نہ ہوتی تو یہ ہرے بھرے کھیت کہاں ہوتے۔ یہ پھل اور پھول کہاں سے آتے!

زمین ہمارے لیے غلّہ اُگاتی ہے۔ زمین ہمیں کپاس دیتی ہے کہ ہم کپڑا بنائیں اور پہنیں۔ زمین کو اللہ نے بڑی طاقت عطا کی ہے۔ اِس میں ہم ایک دانہ بوئیں تو یہ اس کے بدلے میں سیکڑوں دانے دیتی ہے۔ آپ آم کی گٹھلی زمین میں بوئیں اور اس کے درخت سے سیکڑوں آم کھائیں۔

زمین کی جتنی دولت ہمیں زمین کے اُوپر نظر آرہی ہے، اُس سے کہیں زیادہ دولت اِس کے اندر چھپی ہُوئی ہے۔ مٹّی کا تیل جو ہم اپنے گھروں میں جلاتے ہیں، زمین ہی سے نکالا جاتا ہے۔ یہ تیل بڑے کام کی چیز ہے۔ اِسے صاف کرلیں تو پٹرول بن جاتا ہے۔ پٹرول سے موٹر گاڑیاں اور ہوائی جہاز چلتے ہیں۔ جن جن مُلکوں کے پاس تیل موجود ہے وُہ بہت

اَمیر ہو گئے ہَیں ۔

اَلمونیَم ، لوہا ، تانبا ، جِست ، سونا ، چاندی اور ہِیرے یہ سب چیزیں بھی زمین ہی میں چھُپی ہُوئی ہَیں۔ سونا بَہُت قیمتی چیز ہَے۔ جس مُلک کے خَزانے میں زیادہ سونا ہو وُہ زیادہ اَمیر سَمجھا جاتا ہَے ۔ اَلمونیَم اور لوہا بَہُت مُفید دھاتیں ہَیں ۔ ان سے ریل گاڑیاں، ٹینک ، ہَوائی جہاز اور دُوسری بَہُت سی کام کی چیزیں بَنتی ہَیں۔ تانبا پیتل اور دُوسری دھاتیں بھی بَہُت مُفید ہَیں ۔ یہ سب اِنسان کے کام آتی ہَیں ۔

زمین سے کوئلہ بھی نِکلتا ہَے ۔ کوئلے سے کارخانے چلتے ہَیں ۔ قُدرَتی گیس بھی زمین ہی سے نِکلتی ہَے ۔ یہ گیس کوئلے سے بھی زیادہ کام کی چیز ہَے۔ ہمارے مُلک میں اِس گیس کے ذخیرے سُوئی (بلوچستان) کے مَقام پر ہَیں ۔ اِس لیے ہم اِسے "سُوئی گیس" کہتے ہَیں ۔ قُدرَت نے زمین

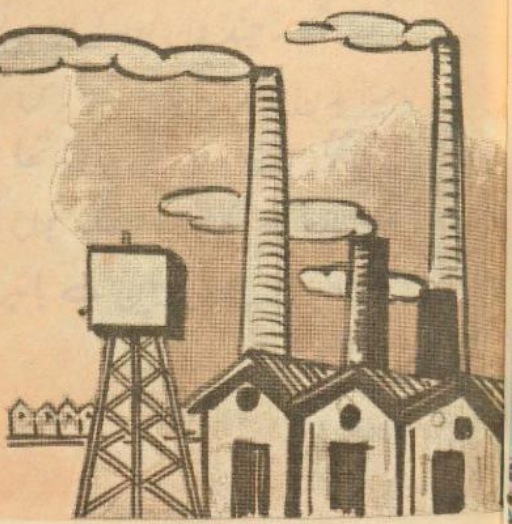

کی تہ میں پانی کے ذخیرے جمع کر رکھے ہیں ۔ یہی پانی ہے جسے ہم کنوؤں سے نکال کر استعمال کرتے ہیں ۔ پانی نہ ہوتا تو ہم زندہ نہ رہ سکتے ۔ ہمارے مُلک میں نمک کی کانیں بھی ہیں جن سے سیکڑوں من نمک نکالا جاتا ہے ۔

آپ شاید یہ پُوچھیں کہ قُدرت نے یہ سارے ذخیرے زمین کے اندر کیوں چھُپا رکھے ہیں ۔ بچّو ! اِس میں بھی حکمت ہے ۔ قُدرت یہ چاہتی ہے کہ ہم محنت کریں اور اِن چیزوں کا علم حاصل کریں ۔ علم اور محنت سے زمین میں چھُپی ہُوئی دَولت کا کھوج لگائیں ۔ اِس دَولت کو وہاں سے نکالیں اور اپنے وطن کو خُوش حال بنائیں ۔

دانے کی کہانی

مَیں گندُم کا دانہ ہُوں ۔ میرے کئی رُوپ ہَیں ۔ میرا ایک رُوپ وُہ ہَے جو تُم اب دیکھ رہے ہو ۔ تُم پُوچھو گے میرے دُوسرے رُوپ کون کون سے ہَیں ؟ یہ ایک لمبی کہانی ہَے ۔ آج مَیں یہ کہانی تُمھیں سُنائے دیتا ہُوں۔

بزسات کا موسم گزر چُکا تھا ۔ سردیوں کا موسم شُروع ہونے والا تھا ۔ کِسان نے کھیت میں ہَل چلایا ، مٹّی نَرم کی اور ایک دِن مُجھے اور میرے بَہُت سے ساتھیوں کو مٹّی میں بو دِیا ۔

مٹّی کے نِیچے بَہُت گرمی تھی ۔ یہاں بَہُت اندھیرا تھا ۔ میرا دَم گھُٹنے لگا ۔ چند دِن بعد کِسان نے کھیت کو پانی دے دیا ۔ پانی پی کر میرا بدن پھُول گیا ۔ مُجھے اِس اندھیری دُنیا میں رہتے رہتے کئی دِن گزر گئے ۔ میرا جی چاہتا تھا یہاں سے باہَر نِکلوں ، رَوشنی دیکھوں اور تازہ ہَوا کھاؤں ۔ مُجھے یُوں لگتا تھا جَیسے میرا رُوپ بَدل رہا ہَے۔ آخر میں ایک دِن زمین سے باہَر نِکل آیا ۔ اب مَیں چھوٹا سا پَودا بن چُکا تھا ۔

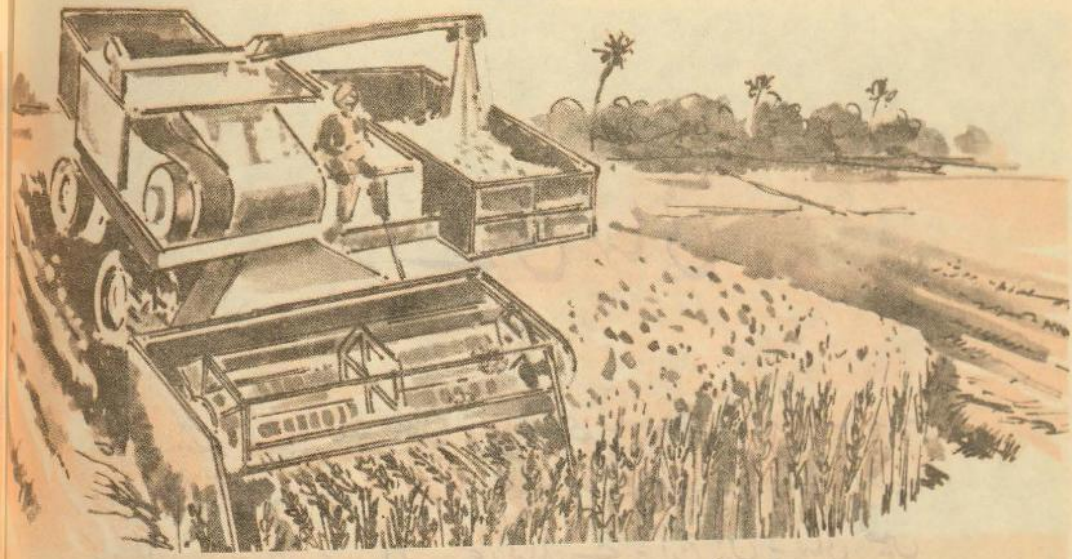

باہر کی دُنیا کتنی پیاری تھی ! ٹھنڈی ٹھنڈی ہَوا چل رہی تھی۔ سُورَج کی پیاری پیاری کِرنیں ہر طَرف پھیل چُکی تھیں ۔ مَیں نے غَور سے دیکھا تو کھیت میں ہر طَرف میرے بَہُت سے ساتھی سَر نِکالے کھڑے تھے ۔ ہم سب ایک دُوسرے کو دیکھ کر خُوش ہُوئے ۔

سردیاں ختم ہونے کو تھیں ۔ اب مَیں مضبُوط پَودا بن چُکا تھا ۔ میرے سر پر ایک بالی نِکل آئی تھی ۔ اُس میں دانے بھرنے لگے تھے۔ سارے کھیت میں بالیاں ہی بالیاں نظر آتی تھیں ۔ ہمیں اپنے جوان ہونے کی خُوشی تھی ۔ اِسی خُوشی میں بہار کا موسم گزر گیا ۔ موسم گرم ہونے لگا ۔ سارے تنے اور پتّے خشک ہو گئے ۔ بالیوں میں دانے پک گئے ۔ اب ان کا بوجھ اُٹھانا بھی مُشکل ہو رہا تھا ۔

ہم اِس فِکر میں تھے کہ اب کیا ہوگا ! ایک دِن کِسان اپنے ساتھ ایک بڑی سی مشین لے آیا ۔ اس کے ساتھ کچھ اور آدمی بھی

تھے ۔ اس مشین نے ہم سب کو کاٹ ڈالا ۔ ایک اور مشین نے ہمیں اندر ہی اندر اِس طرح کُچل ڈالا کہ بھُوسا اور دانے الگ الگ ہوگئے ۔ دانے بوریوں میں بھر دِیے گئے ۔ کِسان نے کچھ بوریاں منڈی میں بھیج دِیں ، کچھ گھر لے آیا ۔ مَیں بھی اِس بوری میں تھا جو کِسان کے گھر آئی ۔

مَیں نے سوچا اب تو آرام مِلے گا ، لیکن آرام کہاں ! ایک دِن کِسان کی بیوی نے ہمیں بوری سے نِکالا ، صاف کِیا اور آٹا پیسنے کی مشین پر بھیج دِیا ۔ یہاں چکّی نے ہمیں پیس کر آٹا بنا دِیا ۔ کِسان کی بیوی نے آٹا گُوندھا ، روٹی پکائی ۔ کیا بتاؤں میرا کیا حال ہُوا ، اب تو میں خُود اپنی شکل نہیں پہچان سکتا تھا ۔ تُم نے دیکھا مَیں نے کیسی کیسی تکلیفیں اُٹھائیں ۔ لیکن اب مُجھے اِن تکلیفوں کا کوئی غم نہیں ۔ بلکہ مَیں خُوش ہوں کہ اِنسانوں کی خِدمت کر رہا ہُوں ۔ اِنسانوں کو بھی چاہیے کہ وُہ ایک دُوسرے کی خِدمت کریں ۔

نعت

مرے پیارے آقا، مرے پیارے مولا
نہ ہو گا، نہ تھا اور نہ ہے کوئی تجھ سا
چلیں گے اُسی پر، یہ ہے اپنا وعدہ
دِکھایا جو تُو نے ہمیں نیک رَستہ
بُرا ہے، جو تیرے کہے میں نہ آیا
وُہ اچھّا ہے، تیرا کہا جس نے مانا
غریبوں، ضعیفوں کا تُو آسرا ہے
سہارا ہے تُو بے کسوں، بے بسوں کا
جو ہم تیری راہوں پہ چلتے رہیں گے
سنْور جائیں گے اپنے دِین اور دُنیا
یتیموں، فقیروں کے کام آئیں گے ہم
کریں گے کِسی سے کبھی ہم نہ دھوکا
یہ ہم وعدہ کرتے ہیں پیارے نبیؐ سے
کہ باپ اور ماں کا بنیں گے سہارا

(راجا رشید محمود)

سچّا وعدہ

ایک دِن کا ذِکر ہے ، دو آدمی حضرت عُمرؓ کی خِدمت میں حاضِر ہُوئے۔ اُنھوں نے ایک نَوجوان کو پکڑ رکھّا تھا۔ اُنھوں نے حضرت عُمرؓ سے کہا: "اِس ظالم نے ہمارے بوڑھے باپ کو مار ڈالا ہے۔"

حضرت عُمرؓ نے نَوجوان سے پُوچھا: "تُمھارے پاس اِن کی بات کا کیا جواب ہے؟"

نَوجوان نے کہا: "جناب ان کی بات ٹھیک ہے۔ اِن کے باپ نے میرے اُونٹ کو مارا، اُس کی آنکھ پھُوٹ گئی۔ اُونٹ مُجھے بَہُت پیارا تھا۔ مُجھے غُصّہ آیا، مَیں نے بُوڑھے آدمی کے پتّھر کھینچ مارا۔ پتّھر بُوڑھے کے لگا اور وُہ مَر گیا۔"

حضرت عُمرؓ نے فرمایا: "تُم نے بوڑھے کی جان لی ہے، اِس کے بدلے میں تُمھیں اپنی جان دینی پڑے گی۔"

نَوجوان نے سَر جُھکا کر کہا: "مُجھے آپ کا فَیصلہ منظُور ہے لیکن ایک بات کی اِجازت چاہتا ہُوں۔" آپ نے پُوچھا "بتاؤ کیا بات ہے؟"

نوجوان نے عرض کیا: "میرا ایک چھوٹا بھائی ہے۔ میرے باپ نے مرتے وقت کچھ سونا مجھے دیا تھا اور کہا تھا کہ بھائی بڑا ہو جائے تو سونا اُسے دے دینا۔ مَیں نے وُہ سونا ایک جگہ زمین میں دبا رکھا ہے۔ آپ اِجازت دیں تو وُہ سونا مَیں اُسے دے آؤں۔ مَیں وعدہ کرتا ہوں کہ تین دِن میں واپس آجاؤں گا۔"

حضرت عُمرؓ نے فرمایا: "تمھیں جانے کی اِجازت ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ کوئی شخص تمھاری ضمانت دے۔"

جو لوگ حضرت عُمرؓ کے پاس بیٹھے تھے، نوجوان نے اُن سب کے چہروں پر نظر ڈالی۔ اُن میں ایک بزرگ بھی تھے جن کا نام ابوذرؓ تھا۔ نوجوان نے کہا: "جناب یہ میری ضمانت دیں گے۔"

حضرت عُمرؓ نے حضرت ابوذرؓ سے پوچھا: "ابوذرؓ! تم اِس کی ضمانت دیتے ہو؟"

اُنھوں نے جواب دیا: "جی ہاں۔ مَیں ضمانت دیتا ہوں کہ یہ نوجوان تین دِن میں حاضر ہو جائے گا۔"

حضرت عُمرؓ نے یہ بات منظور کر لی اور نوجوان سے فرمایا: "اب تمھیں اِجازت ہے۔"

نوجوان اِجازت ملتے ہی چلا گیا۔

تیسرا دِن آیا تو سب لوگ حضرت عُمرؓ کی خِدمت میں حاضِر ہُوئے اور نَوجوان کا اِنتِظار کرنے لگے ۔

اِنتظار کرتے کرتے بَہُت دیر ہوگئی ۔ نَوجوان نہ آیا ۔ سب سوچ رہے تھے ، اب کیا ہوگا ! اگر نَوجوان نہ آیا تو اس کے بدلے حضرت ابُوذرؓ کو اپنی جان دینی پڑے گی ۔ سب پریشان تھے ۔ لیکن حضرت ابُوذرؓ ذرا بھی پریشان نہ تھے ۔ وُہ کہہ رہے تھے " نَوجوان نے تین دِن کے اندر آنے کا وعدہ کیا ہے ۔ وُہ تین دِن ختم ہونے سے پہلے ضرُور آجائے گا ۔ اگر وُہ نہ آیا تو مَیں اس کے بدلے مَرنے کو تیّار ہُوں "

وعدے کا وَقت ختم ہونے والا تھا ۔ وُہ نَوجوان ابھی تک نہ آیا تھا ۔ لوگ اور بھی زیادہ پریشان تھے ۔ وُہ سوچ رہے تھے کہ حضرت ابُوذرؓ کی جان مُفت میں جائے گی ۔ یہ سوچ کر کچھ لوگوں کی آنکھوں میں آنسو آگئے ۔

وَقت گزرتا گیا ۔ لوگوں کو نَوجوان کے آنے کی اُمّید نہ رہی ۔ سب بَہُت پریشان تھے ۔ سب کے دِل دَھڑک رہے تھے ۔ سب سوچ رہے تھے کہ دیکھیے اب کیا ہوتا ہے ! اِتنے میں دُور سے گَرد اُڑتی ہُوئی دِکھائی دِی ۔ سب اُس طرَف دیکھنے لگے ۔ کوئی گھوڑے پر سوار

تیزی سے اُدھر آ رہا تھا۔ گھوڑا آکر رُکا اور وُہی نَوجوان گھوڑے سے اُترا۔ وُہ پسینے میں ڈُوبا ہُوا تھا۔ اُس کی سانس پھُول رہی تھی۔ وُہ آگے بڑھا اور حضرت عُمرؓ کو سلام کرکے کہا :

"جناب مَیں آگیا ہُوں۔"

حضرت عُمرؓ نے حضرت اَبُوذرؓ کی طرف دیکھا۔ اُنھوں نے فرمایا: "خُدا کی قسم مَیں نہیں جانتا کہ یہ نَوجوان کَون ہَے لیکن اِس نے مجُھے ضامِن بنایا۔ مجُھ سے اِنکار نہ ہو سکا۔ میرے دِل نے کہا کہ یہ نَوجوان سچّا ہَے۔ اِس لیے مَیں نے اِس کی ضَمانَت دے دی۔"

نَوجوان آیا تو لوگوں میں خُوشی کی لہر دَوڑ گئی۔ سب کے دِل خُوشی سے بھر گئے۔ بُوڑھے کے دونوں بیٹوں کے دِل پر بھی بَہُت اثر ہُوا۔ اُن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اُنھوں نے کہا: "ہم نے اپنے باپ کا خُون مُعاف کیا۔" سب نے خُوشی کا نعرہ لگایا۔ حضرت عُمرؓ کا چہرہ بھی خُوشی سے چمکنے لگا۔

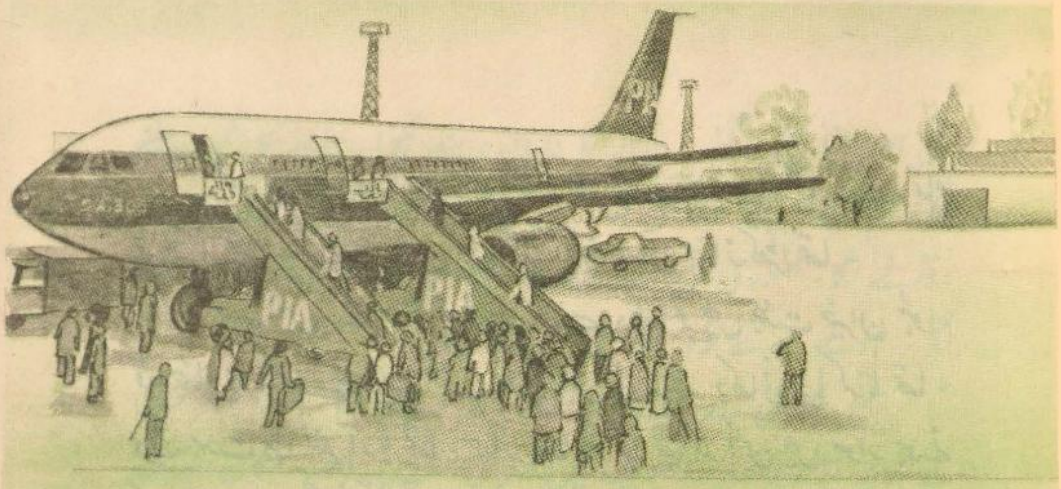

ہوائی جہاز کا سفر

پچھلے سال کی بات ہے، مَیں اپنی امّی اور ابّا کے ساتھ کراچی گیا۔ ہم گئے تو ریل سے تھے لیکن ابّا جان نے کہا کہ واپس ہوائی جہاز سے چلیں گے۔ مَیں یہ سُن کر بہُت خُوش ہُوا۔ مَیں نے سوچا کہ خُوب لُطف رہے گا۔

جہاز کو آٹھ بجے صُبح روانہ ہونا تھا۔ ہم ایک گھنٹا پہلے ہی ہوائی اڈّے پر پُہنچ گئے۔ ہوائی اڈّے پر بڑی رونق تھی۔ بہُت سے لوگ جمع تھے۔ کوئی کہیں جا رہا تھا کوئی کہیں۔ بہُت سے مُسافر دُوسرے مُلکوں کو جانے والے تھے۔ ایک طرف لاہور جانے والے مُسافر کھڑے تھے۔ ہم بھی وہاں جا کر کھڑے ہو گئے۔ یہاں ہمارے سامان کا وَزن کیا گیا۔ ہمارے ٹکٹوں کی پڑتال ہُوئی اور ہم مُسافر خانے میں جہاز کے اِنتظار میں بیٹھ گئے۔

تھوڑی دیر بعد اِعلان ہُوا کہ لاہور جانے والا جہاز تیّار ہے۔ تمام مُسافر اُٹھے اور کھُلے مَیدان میں پُہنچ گئے جہاں جہاز کھڑا تھا۔

جب مَیں نے جہاز کو قریب سے دیکھا تو مَیں بَہُت حَیران ہُوا۔ وُہ جہاز جو دُور سے ایک اُڑتی ہُوئی چیل کی مانند دِکھائی دِیا کرتا تھا، اب بہت بڑا نظر آرہا تھا۔ جہاز اِتنا اُونچا تھا کہ اُس میں سوار ہونے کے لِیے سیڑھی لگائی گئی تھی۔ جہاز کے دو بڑے بڑے پَر تھے۔ ہر پَر کے ساتھ دو اِنجن لگے ہُوئے تھے۔ ابّا جان نے بتایا کہ یہ چار اِنجن والا جہاز ہے۔ چار اِنجن والا جہاز زیادہ تیز اُڑ سکتا ہے۔ جہاز کے نِچلے حِصّے میں سامان لادا جا رہا تھا۔ اُوپر کا حِصّہ مُسافروں کے بَیٹھنے کے لِیے تھا۔ ہم اُس حِصّے میں چلے گئے۔

جہاز کو اندر سے دیکھا تو یہ حِصّہ ایک بڑے کمرے کی طرح نظر آیا۔ اس کے ایک سِرے سے دُوسرے سِرے تک ایک لمبا راستہ تھا۔ اِس راستے کے دونوں طَرف تین تین کی قطار میں گدّے والی کُرسیاں لگی ہُوئی تھیں۔ جہاز کے ایک کونے میں چھوٹا سا باوَرچی خانہ تھا۔ پچھلی طَرف غُسل خانے بنے ہُوئے تھے۔ دائیں بائیں دونوں طَرف شیشے کی کھڑکیاں تھیں جو کھُل نہیں سکتی تھیں۔

مَیں کھڑکی کے ساتھ والی کُرسی پر بَیٹھ گیا۔ باقی دو کُرسیوں پر

امّی اور ابّا بیٹھ گئے ۔ جہاز کا دَروازہ بند ہُوا ۔ جہاز کا اِنجن چلنے لگا ۔ ہم نے اپنے حِفاظتی بند کَس لیے اور جہاز تیزی سے زمین پر دَوڑنے لگا ۔ تھوڑی دیر بعد ایک دَھچکا سا لگا اور جہاز اُوپر اُٹھنے لگا ۔ ہوتے ہوتے وُہ ہَوا میں تَیرنے لگا ۔

مَیں کھڑکی کے شیشے میں سے باہَر دیکھنے لگا ۔ ہمارا جہاز کراچی کے اُوپر اُڑ رہا تھا ۔ دُھوپ میں شہر کی سڑکیں اور مکان بَہُت خُوب صُورَت دِکھائی دے رہے تھے ۔ اَیسا منظَر مَیں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا ۔ چند ہی مِنٹ میں جہاز آگے نِکل گیا ، کراچی کا شہر بَہُت پیچھے رہ گیا ۔

اب چھوٹے چھوٹے گاؤں اور کھیت نظَر آ رہے تھے ۔ دَرَخت اَیسے دِکھائی دیتے تھے جَیسے چھوٹے چھوٹے پَودے ہوں ، دَریا یُوں معلُوم ہوتے جَیسے وُہ ندی نالے ہوں ۔ بڑے بڑے مکان بھی گُڑیوں کے گھروں کی طرح دِکھائی دیتے تھے ۔

مَیں یہ منظَر دیکھنے میں مَصرُوف تھا کہ ابّا جان نے مُجھ سے کہا : " میاں دیکھو ! سامنے ناشتا رکھا ہُوا ہَے " مَیں نے دیکھا تو سب مُسافِر ناشتا کر رہے تھے ۔ مَیں نے بھی ناشتا کیا اور پھر کھڑکی سے باہَر دیکھنے لگا ۔ اِتنے میں جہاز کے کپتان کی آواز سُنائی دی ۔ وُہ کہَ رہا تھا کہ

ہمارا جہاز زمین سے دس ہزار میٹر کی بلندی پر اُڑ رہا ہے۔ اس کی رفتار ایک ہزار کلومیٹر فی گھنٹا ہے ۔ یہ سُن کر میں بہت حیران ہُوا ۔ مجھے تو یُوں لگتا تھا جیسے جہاز چلتے چلتے ہَوا میں رُک گیا ہو ۔

مجھے اپنے وطن کی سرزمین دیکھ کر بہت لُطف آ رہا تھا ۔ ہرے بھرے کھیت بہت بھلے لگ رہے تھے ۔ آج مجھے اپنا وطن پہلے سے بھی زیادہ پیارا لگ رہا تھا ۔ میں آہستہ آہستہ گانے لگا :

پاک سرزمین شاد باد کشورِ حسین شاد باد

میرا جی چاہتا تھا سب مسافر مل کر قومی ترانہ گائیں ۔

جہاز کے کپتان نے پھر اعلان کیا "ہم دس منٹ میں لاہور کے ہوائی اڈّے پر اُترنے والے ہیں ۔" میں نے گھڑی دیکھی تو ساڑھے نو بجے تھے ۔ میں حیران تھا کہ جہاز نے بارہ سو کلومیٹر کا سفر اتنی جلدی کیسے طے کر لیا ۔

دس منٹ بعد جہاز زمین پر اُتر آیا ۔ جہاز رُکا تو دروازہ کھُلا ، سیڑھی لگی اور ہم نیچے اُتر آئے ۔ ہمارا یہ سفر بہت مزے کا تھا ۔

ہمارا وطن

نہ ہو کیوں ہمیں جاں سے پیارا وطن
ہے جنّت کا ٹکڑا ، ہمارا وطن
سُہانا سُہانا ہے سارا وطن ہمارا وطن پیارا پیارا وطن

پہاڑ اِس کے ہیں جاں فزا کس قدر
سماں اس کا ہے خُوش نُما کس قدر
ہے جنّت کا گویا نظارا وطن ہمارا وطن پیارا پیارا وطن

یہ سرسبز جنگل لہکتے ہُوئے
یہ باغوں کے منظر مہکتے ہُوئے
لہکتا مہکتا ، ہمارا وطن ہمارا وطن پیارا پیارا وطن

بہاریں ہیں باغوں پہ چھائی ہُوئی
گھٹائیں ہیں کیا رنگ لائی ہُوئی
خُوشی سے ہے بھرپُور سارا وطن ہمارا وطن پیارا پیارا وطن

کِسی سے نہیں اِتنی اُلفت ہمیں
ہے جتنی وطن سے محبّت ہمیں
ہمیں جان و دِل سے ہے پیارا وطن ہمارا وطن پیارا پیارا وطن

(اختر شیرانی)

چاند گاڑی (1)

مَیں نے پہلے پہل چاند گاڑی کا نام سُنا تو خوشی سے اُچھل پڑا۔ میرا جی چاہا کہ جھٹ چاند گاڑی میں بیٹھوں اور جی بھر کر چاند کی سیر کروں۔ چاند سے میری پُرانی دوستی ہے۔ جب مَیں چھوٹا سا تھا تو اپنے پنگوڑے میں لیٹ کر چاند کی طرف دیکھتا رہتا تھا۔ چاند کی کرنیں آسمان سے نیچے اُترتیں اور میرے پنگوڑے میں گھس جاتیں۔ اِن کے آنے سے ہر طرف روشنی پھیل جاتی۔

مَیں ذرا بڑا ہُوا تو اَمّی جان نے مجھے چندا ماموں کا گیت سُنایا۔ گیت اِس طرح شروع ہوتا تھا:

چندا ماموں دُور کے!

مَیں یہ گیت سُنتا تو میرا جی چاہتا کہ کسی طرح اُڑ کر چندا ماموں کے پاس پہنچ جاؤں۔ چندا ماموں کو مَیں نے کبھی کبھی ندی میں بھی نہاتے دیکھا تھا۔ مَیں اُنھیں نہاتے دیکھ کر خوش ہوتا تھا۔ لیکن مجھے یہ سوچ کر ڈر بھی لگتا تھا کہ کہیں چندا ماموں ندی میں ڈوب نہ جائیں۔

مَیں ہمیشہ سوچا کرتا تھا کہ چندا ماموں بَہُت اچھّے ہَیں ۔ مَیں کبھی نہ کبھی خُود اُن سے مِلنے جاؤں گا ۔ مجھے کِسی رِسالے میں کوئی بات چندا ماموں کے بارے میں لِکھی ہُوئی مِلتی تو مَیں اُسے ضَرُور پڑھتا ۔ ایک رِسالے میں بُڑھیا اور چرخے کی کہانی تھی ۔ کہانی میں لِکھا تھا کہ جب سے چاند بنا ہَے وہاں ایک بُڑھیا بَیٹھی چرخہ کات رہی ہَے ۔ ایک کہانی چاند کی شہزادی کی تھی ۔ ایک کہانی چاند پر رہنے والی پریوں کی تھی ۔ مَیں یہ کہانیاں پڑھتا تو چاند پر جانے کا شَوق اور بھی بڑھ جاتا ۔

ایک دِن اَبّا جان میرے لِیے ایک نیا رِسالہ لائے ۔ اِس رِسالے میں چاند کے مُتعَلِّق بَہُت سی باتیں لِکھی ہُوئی تھیں ۔ ایک بات یہ تھی کہ چاند ہماری زمین سے قریبًا تین لاکھ چھیاسی ہزار کِلومِیٹر دُور ہَے ۔ چاند پر نہ پانی ہے ، نہ ہَوا ۔ اِسی طرح اور باتیں بھی تھیں ۔ چاند پر گرمی بَہُت زیادہ ہوتی ہَے اور سَردی بھی بَہُت زیادہ ہوتی ہَے ۔ اِس گرمی اور سَردی میں اِنسان ذرا سی دیر بھی زِندہ نہیں رہ سکتا ۔ یہ باتیں پڑھ کر مجھے بَہُت افسوس ہُوا ۔ مَیں نے سوچا ، اَب مَیں کبھی چاند تک نہیں جا سکُوں گا ۔

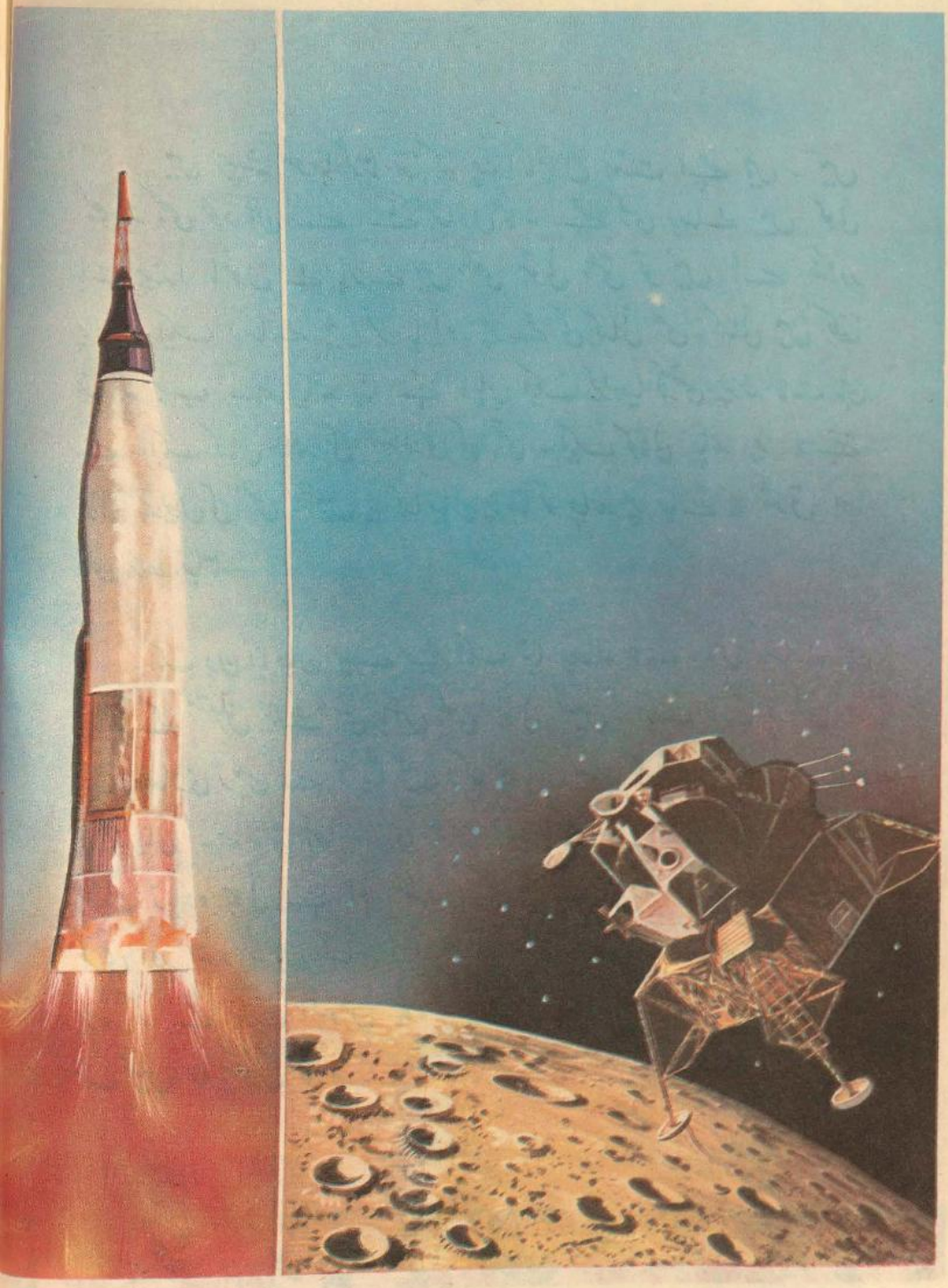

چند دِن بعد ابّا جان ایک اور رِسالہ لائے ۔ اِس میں ایک تصویر تھی ـــــ مَیں تصویر دیکھ کر یہ سمجھا کہ کوئی بڑا سا مکڑا ہے ۔ مکڑے کی لمبی لمبی مُونچھیں تھیں ۔ اس کی تکونی آنکھیں کھڑکیوں کی طرح کھُلی تھیں ۔ اس کا مُنہ اِتنا بڑا تھا ، جیسے ہَوائی جہاز کا دروازہ ۔ اس کے پَیر اَیسے چوڑے تھے جیسے اُونٹ کے ۔

میری سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کیا چیز ہے ۔ ایکا ایکی میری نظر اُن لفظوں پر پڑی جو مکڑے کی تصویر کے نیچے لکھے تھے ـــــ "چاند گاڑی" ـــــ چاند گاڑی کا نام پڑھتے ہی میرے جسم میں خُوشی کی لہر دَوڑ گئی ۔ مَیں خُوشی سے تالیاں بجانے لگا "آہا! مَیں چاند گاڑی میں بیٹھوں گا ۔ مَیں چاند پر جاؤں گا ۔"

چاند گاڑی (2)

یہ رِسالہ مَیں نے کئی دِن اپنے پاس رکھّا۔ رات کو سوتا تو رِسالے کو تکیے کے نیچے رکھ لیتا۔ مجھے رات کو طرح طرح کے خواب دِکھائی دیتے۔ مَیں چاند گاڑی میں بَیٹھتا۔ چاند گاڑی اُوپر اُٹھتی۔ وُہ اُوپر اُٹھتی چلی جاتی اور چاند پر جا کر اُترتی۔ مَیں چاند گاڑی کا دَرْوازہ کھولتا اور نیچے اُتر کر خُوب سَیر کرتا۔ اس کے بَعد چاند گاڑی میں بَیٹھ کر زمین پر آ جاتا۔ ایسے ہی خواب مجھے ہر روز دِکھائی دیتے۔

ایک دِن ایک اور رِسالہ میری نظر سے گُزرا جِس سے معلُوم ہُوا کہ امریکہ کے تین خلا باز چاند کے سَفر پر روانہ ہُوئے تھے۔ خلا بازوں کا یہ سَفر 16 جولائی 1969ء کو شُرُوع ہُوا تھا۔ ان کا جہاز "اپالو" چالیس ہزار کلومیٹر فی گھنٹا کی رفتار سے اُڑا۔ چار دِن بعد وُہ چاند کے قریب پُہنچا۔ اس جہاز کے دو حِصّے تھے۔ ایک کا نام اِنجن گاڑی اور دُوسرے کا نام چاند گاڑی تھا۔

رات کے وَقت خلا باز اِنجن گاڑی سے نِکل کر چاند گاڑی میں داخِل ہُوئے۔ چاند گاڑی کا نام شاہین تھا۔ یہ گاڑی، اِنجن گاڑی سے جُڑی ہُوئی

تھی ۔ چاند گاڑی میں پُہنچ کر خلا بازوں نے اسے اِنجن گاڑی سے الگ کر دِیا اور شاہین آزاد ہو گیا ۔

شاہین آہستہ آہستہ نیچے اُترا ۔ اُس نے چاند کے سینے پر اپنے پنجے گاڑ دِیے ۔ صُبح ہُوئی تو خلا بازوں نے چاند پر اُترنے کی تیاریاں شُروع کر دِیں ۔ اُنھوں نے خلائی لِباس پہن رکھا تھا ۔ اِس لِباس کی وجہ سے خلا بازوں پر گرمی یا سردی اثر نہیں کرتی ۔

ایک خلا باز نے چھوٹا سا دروازہ کھولا ، سیڑھی پر کھڑے ہو کر چاند کی دُنیا پر ایک نظر ڈالی ۔ پھر وُہ آہستہ آہستہ نیچے اُترا اور سات بج کر چھپّن مِنٹ پر اپنا قدم چاند پر رکھا ۔ چاند کی دُنیا پر اِنسان کا یہ پہلا قدم تھا ۔ خلا باز نے اپنا قدم رکھتے ہی کہا : " یہ اِنسان کا مَعمُولی قدم ہے " اس کا مطلب یہ تھا کہ اِنسان چاند پر پُہنچ گیا ہے لیکن وُہ اپنے عِلم اور مِحنت سے اس سے بھی زیادہ بڑے بڑے کام کر سکتا ہے ۔

بِیس مِنٹ بعد دُوسرا خلا باز اُترا ۔ حیرت اور خُوشی میں اُس کے مُنہ سے یہ اَلفاظ نِکلے " آہا ! یہ کِتنا حسین وِیرانہ ہے " چاند گاڑی کی تصویر اب بھی میرے تکیے کے نیچے رکھّی ہے ۔ میرا جی چاہتا ہے ، چاند گاڑی میں بیٹھُوں اور چاند تک جا پُہنچُوں ۔

برسات

وُہ دیکھو ! اُٹھی کالی کالی گھٹا
ہے چاروں طرف چھانے والی گھٹا
گھٹا کے جو آنے کی آہٹ ہُوئی
ہَوا میں بھی اِک سَنسناہَٹ ہُوئی
گھٹا آن کر مینہ جو برسا گئی
تو بے جان مٹّی میں جان آگئی
زمیں سبزے سے لَہلہانے لگی
کِسانوں کی محنت ٹھکانے لگی
جَڑی بُوٹیاں، پیڑ آئے نِکل
عجب بیل پتّے عجب پھُول پھَل
ہر اِک پیڑ کا اِک نیا ڈھنگ ہے
ہر اِک پھُول کا اِک نیا رنگ ہے
یہ دو دِن میں کیا ماجَرا ہوگیا!
کہ جنگل کا جنگل ہَرا ہوگیا!

(اسمٰعیل میرٹھی)

بہادر مائیں

اِسلام سچّائی کا دِین ہے ۔ یہ عَدل اور اِنصاف کا دِین ہے۔ اِسلام کی تاریخ سچّائی اور اِنصاف کا سبق سِکھاتی ہے ۔ مُسلمان ہمیشہ سچّائی اور اِنصاف کی خاطِر لڑے ۔ اُنھوں نے اِن لڑائیوں میں ہمیشہ بڑی بہادُری دِکھائی ۔ ہم نے مُسلمان مَردوں کی بہادُری کے بہُت سے قِصّے سُنے ہیں ۔ یہ سب بہادُر مَرد ، بہادُر ماؤں کے بیٹے تھے۔ بہادُری کی تعلیم اُنھیں اپنی ماؤں سے مِلی تھی ۔ اُن ماؤں نے اپنے بیٹوں کو اللہ کے نام پر لڑنا سِکھایا اور جب کبھی ضَرُورَت پیش آئی ، وُہ خُود بھی مَیدانِ جنگ میں آئیں ۔ مَیدانِ جنگ میں آکر اُنھوں نے کبھی لڑنے والوں کی خِدمت کی اور کبھی خُود لڑائی میں حِصّہ لِیا ۔

آج ہم تُمھیں چند بہادُر ماؤں کا حال سُناتے ہیں ۔ پہلے ایک ایسی خاتُون کا حال سُنو جنھوں نے اپنے چار بیٹوں کو ہنسی خُوشی جنگ میں بھیجا ۔ اِن خاتُون کا نام خنسآءؓ تھا ۔ یہ جنگ قادِسیّہ کے مقام پر ہُوئی ۔ مُسلمان اس میں بڑی بہادُری سے لڑے ۔ لڑائی شُرُوع ہونے سے پہلے حضرت خنساءؓ وہاں موجُود تھیں ۔ اُنھوں نے اپنے چاروں

بیٹوں کو بُلا کر کہا: "بیٹو! دُنیا مِٹ جانے والی چیز ہے اور جہاد میں حِصّہ لینے کا بڑا ثواب ہے۔ میری نصیحت یہ ہے کہ لڑنے کی تیّاری کرو اور آخر وقت تک لڑو۔"

لڑائی کا وقت ہُوا تو چاروں بیٹوں نے ایک ساتھ گھوڑوں کی باگیں اُٹھائیں اور نہایت جوش سے لڑے۔ لڑتے لڑتے چاروں بھائی شہید ہو گئے۔ ماں کو بیٹوں کی شہادت کی خبر ملی تو اُس نے خُدا کا شکر اَدا کیا۔

اُحُد کی لڑائی رَسُولُ اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے زمانے کی مشہُور لڑائی ہے۔ اِس میں سات سَو مُسلمانوں نے دُشمن کی بڑی فَوج کا مُقابلہ کیا۔ بہت سے مُسلمان شہید ہُوئے۔ رَسُولُ اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے گِرد تھوڑے سے مُسلمان جمع تھے۔ ایک کافر نے حُضُورؐ پر حملہ کیا تو حضرت اُمِّ عَمّارہؓ نے آگے بڑھ کر اُس کافر کے تلوار ماری۔

اِس لڑائی میں مُسلمانوں نے عَورتوں، بچّوں اور کمزوروں کو قلعے میں رکھّا تھا مگر ان میں سے کُچھ بہادر بیبیاں میدان میں مَوجُود تھیں۔ ان میں رَسُولُ اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی بیٹی فاطمہؑ بھی تھیں۔ اُنھوں نے رَسُولُ اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے زخموں کو

دھویا اور ان پر پٹّی باندھی ۔ حضرت عائشہؓ اور دُوسری بیبیاں اپنے کندھوں پر مشکیں اُٹھا کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں ۔

جنگِ خندق میں بھی عورتوں کو قلعے میں رکھا گیا تھا تاکہ اُنھیں دُشمن سے نقصان نہ پہنچے ۔اِس جنگ میں دُشمن نے بیس دِن تک مدینے کے گرد گھیرا ڈالے رکھا لیکن اِسے حملہ کرنے کا موقع نہ ملا۔ آخر ایک دِن ایسا آیا کہ سخت لڑائی ہُوئی ۔ دُشمن ہر طرف سے تیر اور پتّھر برسا رہے تھے ۔ مُسلمان بہادُری سے دُشمن کا مُقابلہ کر رہے تھے ۔ دُشمنوں نے سوچا قلعے میں صِرف عورتیں ہیں ،اِس وقت قلعے پر قبضہ کیا جا سکتا ہے ۔

ایک یہُودی قلعے کے پھاٹک پر پُہنچا تاکہ اُوپر چڑھ کر قلعے کا دروازہ کھول دے ۔حضرت صفیہؓ جو رَسُولُ اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی پھُوپھی تھیں ، یہُودی کو دیکھ رہی تھیں ۔ وُہ آگے بڑھیں اور ایک ہی وار میں یہُودی کا خاتمہ کر دِیا ۔ حضرت صفیہؓ نے یہُودی کا سر کاٹ کر مَیدان میں پھینک دِیا ۔سب یہُودی ڈر کر بھاگ گئے ۔

آگ کی کہانی

ایک دِن صُبح سویرے طارِق کی اَمّی نے چُولھے میں آگ جلائی اور چائے بنانے لگیں۔ طارِق بھی اپنی اَمّی کے پاس بَیٹھ گیا اور ایک تِنکا لے کر آگ سے کھیلنے لگا۔ وُہ تِنکے کو چُولھے میں لے جاتا، جب اُسے آگ لگ جاتی تو جلتے ہُوئے تِنکے کو بڑے غُور سے دیکھتا۔ پھر پھُونک مار کر اُسے بُجھا دیتا۔ اَمّی نے دیکھا تو کہنے لگیں: "بیٹا! آگ سے نہیں

کھیلا کرتے ۔ آگ بہت خطرناک چیز ہے ۔" طارق نے پوچھا: "امّی جان وُہ کیسے ؟" امّی بولیں: "آگ سب چیزوں کو جلا دیتی ہے ۔ اگر اِحتیاط سے کام نہ لیں تو آگ جان کے لیے بھی خطرہ بن سکتی ہے ۔"

طارق نے کہا: "امّی جان ! اِتنی سی آگ سے کیا خطرہ ہوسکتا ہے ؟" اُنھوں نے جواب دیا: "تھوڑی سی آگ بھی اِتنی ہی خطرناک ہے جتنی بہت سی آگ ۔ تُم دیکھتے نہیں کہ مَیں ہر روز ایک چھوٹی سی دِیا سلائی جلاتی ہُوں اور اس سے اِتنی زیادہ آگ جل اُٹھتی ہے جس پر مَیں چائے بناتی ہُوں ، کھانا تیّار کرتی ہُوں ، نہانے اور کپڑے دھونے کے لیے پانی گرم کرتی ہُوں ۔ آگ تھوڑی سی بھی ہو ، اِیندھن ملنے پر پھیلتی جاتی ہے ۔ یہ تنکے کی تھوڑی سی آگ پُورے جنگل کو جلانے کے لیے کافی ہے ۔"

طارق نے یہ باتیں سُنیں تو گھبرا کر تنکا پھینک دِیا اور کہنے لگا: "امّی جان ! اگر یہ اِتنی خطرناک چیز ہے تو ہم اِسے اپنے گھر میں رکھتے ہی کیوں ہیں ؟" امّی کہنے لگیں: "بیٹا ! آگ اُسی وقت خطرناک ہوتی ہے جب اِحتیاط سے کام نہ لیا جائے ، ورنہ آگ بڑی مُفید چیز ہے ۔ ایک زمانہ تھا جب لوگ آگ سے

واقف نہیں تھے ۔ شام ہوتے ہی ہر طرف اندھیرا چھا جاتا تھا ۔ اُس وقت کے لوگ غاروں میں رہتے تھے ۔ سردی ہوتی تو وُہ ٹھٹھرتے رہتے ، پھل اور کچّی سبزیاں کھاتے اور گوشت بھی کچّا ہی چبا جاتے تھے ۔ اگر آگ نہ ہوتی تو آج ہمارا بھی وُہی حال ہوتا ۔ آگ سے ہمیں رَوشنی اور گرمی حاصِل ہوتی ہے ۔ اِس سے ہم چیزیں پکاتے ہیں ۔ یہ ہماری زِندگی کی بُنیادی ضَرورت بن چُکی ہے ۔"

طارِق نے پُوچھا :" اَمّی جان ! پھر لوگ آگ سے واقِف کیسے ہُوئے ؟" اَمّی بولیں :" آگ کے مُتعلّق ایک کہانی مشہُور ہے ۔ کہتے ہیں کہ پُرانے زمانے میں ایک شَخص شِکار کرنے گیا ، اُس نے کِسی جانور کے ایک پتّھر مارا ۔ وُہ پتّھر اس جانور کے نہ لگا بلکہ ایک اور پتّھر سے جا ٹکرایا ، دو پتّھروں کے ٹکرانے سے چھوٹی چھوٹی چنگاریاں پَیدا ہُوئیں ۔ قرِیب ہی سُوکھی گھاس پڑی تھی ۔ ایک چنگاری اس میں جا پڑی اور گھاس جل اُٹھی ۔ وُہ آدمی حَیران ہو کر اس چیز کو دیکھنے لگا ۔ وُہ اس کے قریب گیا تو اسے پتا چلا کہ یہ گرم ہے ۔

جب آگ بجھنے لگی تو اُس آدمی نے کچھ سوچا۔ پھر اِدھر اُدھر سے لکڑیاں اُٹھا کر آگ میں رکھ دیں۔ آگ بھڑکنے لگی۔ اُس نے آگ کو پکڑنا چاہا تو اُس کا ہاتھ جل گیا۔ اِسی طرح اِنسان کو آگ کی اور باتوں کا بھی پتا چل گیا۔ وُہ پتّھروں کو ٹکرا کر آگ جلانے لگا۔ اب لوگ گوشت بھُون کر کھاتے، سردیوں میں وُہ آگ سے گرمی حاصِل کرتے اور آگ سے حِفاظت کا کام بھی لیتے۔"

طارِق نے حَیران ہو کر پُوچھا: "حِفاظت کا کام! وُہ کیسے؟"

اَمّی نے اُسے بتایا: "اُس وقت اِنسان جنگل میں رہتے تھے۔ اُنھیں جنگلی جانوروں کا خَوف ہوتا تھا۔ ان سے بچنے کے لیے وُہ اپنے غاروں کے مُنہ پر بڑے بڑے پتّھر رکھ دیتے تھے۔ آگ مِل جانے کے بعد اُنھوں نے یہ طریقہ بھی سیکھ لیا کہ وُہ بہُت سی آگ روشن کر دیتے تھے۔ جنگلی جانور اُس آگ سے ڈر کر بھاگ جاتے اور انھیں کوئی تکلیف نہ پُہنچاتے۔"

طارِق بولا: "اَمّی جان! آگ کا اور بھی کوئی فائدہ ہے؟"

اُنھوں نے جواب دِیا: "کیوں نہیں! کارخانوں کی بڑی بڑی مشینیں بھی آگ سے چلتی ہیں، بھٹّیاں جلائی جاتی ہیں، اینٹیں اور

برتن پُختہ کیے جاتے ہیں اور آگ سے بھاپ پیدا کرکے ریلوں اور جہازوں کے اِنجن بھی چلائے جاتے ہیں "۔

تصاویر :-

(ا) آگ حاصل کرنے کے طریقے ۔

1 پتھر سے پتھر رگڑ کر ۔

2 دِیا سلائی

3 مختلف قسم کے لائیٹر

(ب) آگ سے چلنے والی مشین ۔ کارخانے

اِنجنوں کا بھٹا

ریل کا اِنجن

کارخانہ

سٹیمر

حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ

ہم لوگ چھوٹے چھوٹے تھے اور اَمّی اَبّا کے ساتھ لاہور میں رہتے تھے ۔ ہمارے ماموں جان کا گھر کراچی میں تھا ۔ وُہ سال میں ایک بار لاہور آتے ۔ کُچھ دِن ہمارے پاس رہتے ۔ اِس کے بعد یہ کہہ کر چلے جاتے کہ مجُھے پاک پتن شریف جانا ہے ۔ تین چار سال تک یہی ہوتا رہا ۔

مَیں اب ذرا بڑا ہو گیا تھا ۔ اِس سال بھی ماموں جان آئے اور کُچھ دِن لاہور رہ کر پاک پتن چلے گئے ۔ ان کے جانے کے بعد مَیں نے اَمّی سے پُوچھا "اَمّی جان ! ماموں جان ہر سال پاک پتن کیوں جاتے ہیں ؟"

اَمّی نے کہا "بیٹے ! پاک پتن میں ایک بہُت بڑے بُزُرگ کا مزار ہے ۔ ان کا نام حضرت بابا فرید گنج شکرؒ ہے ۔

ہر سال ان کا عُرس ہوتا ہے اور ہزاروں آدمی دُور دُور سے اِس عُرس میں شامل ہوتے ہیں ۔ تمھارے ماموں جان بھی عُرس میں شامل ہونے کے لیے پاک پتن جاتے ہیں ۔"

مَیں نے کہا :" اَمّی مجھے بابا فرِیدؒ کے مُتعلّق کچھ اور باتیں بتائیے۔" اَبّا جان قریب ہی بیٹھے تھے ۔ اُنھوں نے کہا :" اختر بیٹے ! میرے پاس آؤ ، مَیں تمھیں اِن بُزُرگ کے حالات سُناتا ہُوں ۔" مَیں اَبّا جان کے پاس چلا گیا ۔ اُنھوں نے مجھے بتایا :

"ان بُزُرگ کا نام مَسعُود تھا لیکن وُہ بابا فرید گنج شکرؒ کے نام سے مَشہُور ہُوئے ۔ گنج شکر کے نام کے مُتعلّق کتابوں میں کئی قصّے لکھّے ہیں ۔ ان میں سے ایک قِصّہ یہ ہے ۔

ایک دفعہ بابا فرِیدؒ نے سات دِن تک برابر روزے رکھّے ۔ ایک دِن اِفطار کے وقت وُہ اپنے مُرشد کے پاس جا رہے تھے ۔ بَرسات کا مَوسم تھا ، راستے میں کیچڑ تھی ۔ ان کا پاؤں پھسل گیا ۔ آپ زمین پر گر پڑے ۔ تھوڑی سی مٹّی آپ کے مُنہ میں چلی گئی ۔ مُنہ میں جاتے ہی وُہ مٹّی شکر بن گئی ۔ بابا فرِیدؒ نے یہ بات اپنے مُرشد کو بتائی تو اُنھوں نے فرمایا :" جس طرح مٹّی تمھارے مُنہ میں جاکر شکر بن

گئی ، اِسی طرح اللہ تُمھیں دُوسروں کے لیے شکر بنا دے گا۔ تُم اَللہ کے بندوں کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤ گے ۔"

اِس کے بعد ان کا نام گنجِ شکر ہوگیا۔ اس کا مطلب ہے، "شکر کا خزانہ۔" سچ مچ اَللہ نے بابا فریدؒ کی ذات کو شکر کا خزانہ بنا دِیا۔ ان کی باتوں میں شکر کی سی مٹھاس تھی۔ ان کی باتیں سُن کر ہزاروں آدمی مُسلمان ہوگئے۔ بابا فریدؒ جب تک زِندہ رہے لوگوں کو نیکی کی باتیں بتاتے رہے۔

بابا فرید گنجِ شکرؒ سادہ زِندگی بَسر کرتے اور لوگوں کو سادہ زِندگی بَسر کرنے کی تعلیم دیتے تھے۔ ان کی بتائی ہُوئی بَہُت سی باتیں یاد رکھنے کے قابِل ہَیں۔ اُنھوں نے فرمایا :"کبھی قرض نہ لو۔ فاقے سے مَر جانا، قرض لے کر کھانے سے بہتر ہَے ۔"

"اچھّا دِل وُہ ہَے جِس میں لالچ اور حَسَد نہ ہو ۔"

"اِحسان کرو لیکن اِحسان نہ جَتاؤ ۔"

"قُرآنِ مجید پڑھنا بَہُت بڑی نیکی ہَے ۔"

منّگلا کی کہانی

منّگلا بند کا نام تو سب نے سُنا ہے لیکن اِس بند کی مزے دار کہانی شاید ہر ایک نے نہ سُنی ہو۔ یہ مزے دار کہانی ہزاروں بَرس پُرانی ہے۔ جو لوگ منّگلا گئے ہیں اُنھوں نے دیکھا ہو گا کہ بند کے آس پاس پہاڑیاں ہیں۔ اِن پہاڑیوں میں سے ایک کا نام منّگلا ہے۔ منّگلا پہاڑی پر پُرانے زمانے میں ایک کچّا قلعہ بنا ہُوا تھا۔ اس قلعے کے پاس ایک مَندِر تھا جسے لوگ "منّگلا مائی" کا مَندِر کہتے تھے۔

لوگ منّگلا دیوی کی پُوجا کرتے تھے اور اس سے مَدد مانگتے تھے۔ پُجاری

دریائے جہلم میں نہاتے اور دیوی کے مندر پر آکر مدد مانگتے۔ ہم مسلمان ہیں۔ ہم صرف اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور اُسی سے مدد مانگتے ہیں۔

منگلا کے بارے میں ایسی ہی اور بھی کہانیاں ہیں لیکن یہ کہانیاں اب اتنی پرانی ہو چکی ہیں کہ لوگ انھیں بھول گئے ہیں۔ اب تو جو کوئی منگلا دیکھنے جاتا ہے، اس کے دل میں ایک ہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ بند کیا ہے؟ یہ کیوں بنا اور کیسے بنا؟ منگلا کی نئی کہانی انھی سوالوں کے جواب سے پوری ہوتی ہے۔

دنیا میں اب تک بہت سے بند بنائے گئے ہیں۔ یہ بند پانی کو ایک جگہ اکٹھا کرنے کے لیے بنائے جاتے ہیں۔ جو پانی ان بندوں میں جمع ہو جاتا ہے، اس سے طرح طرح کے کام لیے جاتے ہیں۔ اس پانی کی طاقت سے بجلی پیدا کی جاتی ہے۔ اس کا پانی نہروں کے ذریعے دور دور تک پہنچایا جاتا ہے۔ نہروں کے اس پانی سے کھیتی باڑی میں مدد ملتی ہے۔ یہ پانی بنجر زمینوں کو ہرے بھرے کھیتوں اور باغوں میں بدل دیتا ہے۔

منگلا بند سے بھی یہی کام لیے گئے ہیں۔ اس کے پانی سے بجلی پیدا کی جا رہی ہے اور اس سے زمینوں کو سیراب کیا جا رہا ہے۔ یہ پاکستان کا کنکریٹ سے بنا ہوا سب سے بڑا بند ہے۔

اِس بند کے ایک طرف وُہ جھیل ہے جس میں دریائے جہلم کا پانی لاکر جمع کیا جاتا ہے ۔ جھیل کی لمبائی چونسٹھ کلومیٹر کے قریب اور چوڑائی چار کلومیٹر کے قریب ہے ۔ جھیل کیا ہے ایک چھوٹا سا سمندر ہے ۔

منگلا بند کئی برس کی دِن رات کی محنت کے بعد بنا ہے ۔ ہزاروں مزدُور ، مستری اور انجینیئر صُبح شام کام میں لگے رہے ۔ اُنھوں نے پہاڑوں کو کاٹ کر سُرنگیں بنائیں ۔ دریا کے بہاؤ کا راستہ بدلا، پانی کو جھیل میں قید کیا ، پھر اُسے بجلی کی شکل میں دُور دُور تک پُہنچایا ۔ ہم سب اِن محنت کرنے والوں کا اِحسان مانتے ہیں ۔

منگلا کے پانی سے بجلی پیدا کرنے کی مشینیں چلتی ہیں ۔ اِس کی مدد سے بہُت سے کارخانے چل رہے ہیں ۔ یہی پانی کھیتوں کو سیراب کر رہا ہے ۔ اِن کھیتوں میں کروڑوں آدمیوں کے لیے غلّہ پیدا ہو رہا ہے ۔ اِس بند سے پاکستان کے بہُت بڑے علاقے کو فائدہ پُہنچ رہا ہے اور اِسی طرح فائدہ پُہنچتا رہے گا ۔

نیک بنو نیکی پھیلاؤ

سچ بولو سچّے کہلاؤ
سچ کی سب کو ریس دِلاؤ
جب اَوروں کو راہ بتاؤ
خُود رَستے پر تُم آ جاؤ

قَوم کو اچھّے کام دِکھاؤ
نیک بنو نیکی پھیلاؤ

ہو گی تُم میں گر سُتھرائی
سب سیکھیں گے تُم سے صَفائی
ہمسائے کی دیکھ بھلائی
چھوڑتے ہیں ہمسائے بُرائی

قَوم کو اَچھّے کام دِکھاؤ
نیک بنو نیکی پھیلاؤ

ہے جس گھر میں ایک بھی اچھّا
واں نہ رہے گا نام بُرے کا
تُم بھی چلَن دِکھلاؤ کچھ ایسا
جس سے ہو سارے جگ میں اُجالا
قَوم کو اچھّے کام دِکھاؤ
نیک بنو نیکی پھیلاؤ

مِحنَت کر کے ہیں جو کماتے
سب کو مِحنَت ہیں وُہ سِکھاتے
جو نہیں ہاتھ اور پاؤں ہلاتے
سب کو اپاہج ہیں وُہ بناتے
قَوم کو اچھّے کام دِکھاؤ
نیک بنو نیکی پھیلاؤ

رَحم ہے سب کو رَحم سِکھاتا
ظُلم ہے سب کو ظُلم سُجھاتا
نیک ہے نیکی سب کو بتاتا
بَد اَوروں کو بَد ہے بناتا
قَوم کو اچھّے کام دِکھاؤ
نیک بنو نیکی پھیلاؤ

(حالی)

کہانی لکھیے

نیچے دی ہُوئی تصویروں کی ہر چیز کو غور سے دیکھیے اور ایک کہانی لکھیے:

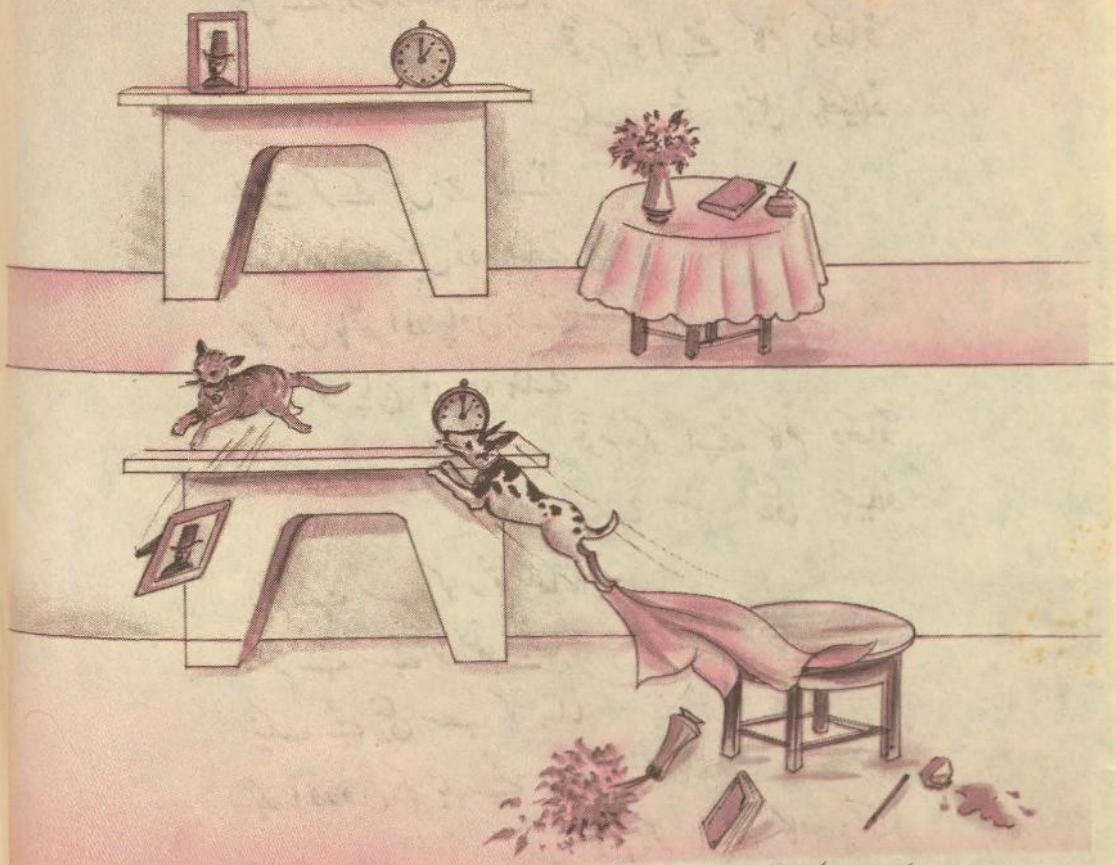

آپ یہ کہانی اِس طرح شُروع کر سکتے ہیں : امجد نے بِلّی پال رکھّی تھی۔
امجد کے بھائی ماجد کے پاس کُتّا تھا۔ بِلّی اور کُتّا آپس میں لڑتے رہتے تھے۔
ایک دِن .....

کتاب بہترین ساتھی ہے
اس سے پیار کیجیے
اِسے ضائع ہونے سے بچائیے

اپیل

پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ ایک قومی ادارہ ہے جو پنجاب کے طلبہ کے لیے معیاری اور سستی نصابی کُتب بروقت مہیا کرنے کے لیے کوشش کرتا ہے مگر کچھ جعل ساز ناجائز منافع کے لیے بورڈ کی شائع کردہ کُتب کے جعلی ایڈیشن گھٹیا کاغذ پر ناقص طباعت کے ساتھ مارکیٹ میں فروخت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور بورڈ کو مالی نقصان پہنچانے کے علاوہ اِس کی بدنامی کا سبب بھی بنتے ہیں۔ طلبہ اور والدین سے توقع کی جاتی ہے کہ ایسی کُتب کی اطلاع بورڈ کو دیں تاکہ ضروری سدِباب کیا جا سکے۔ بورڈ کی نصابی کتابوں کی نشاندہی بورڈ کے اس نشانِ خصوصی سے ہوتی ہے جو ہر کتاب کے سرورق پر چھپا ہوتا ہے۔

بورڈ کی کتابوں کے علاوہ طلبہ اضافی کُتب خریدنے کے پابند نہیں ہیں۔ جماعت سوم کے لیے صرف درج ذیل کُتب ہی جائز ہیں۔

1 — اُردُو کی تیسری کتاب
2 — قرآنی قاعدہ
3 — سائنس 3
4 — ریاضی
5 — معاشرتی عُلوم (متعلقہ ضلع)

سیّد فضل حسین
چیئرمین
پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ
21-ای - 2 - گلبرگ - 3 - لاہور

جُملہ حقوق بحقِ پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، محفوظ ہیں

تیار کردہ : پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور
منظور کردہ : قومی ریویو کمیٹی ، وفاقی وزارتِ تعلیم، حکومتِ پاکستان

درخت لگائیں
بخت جگائیں

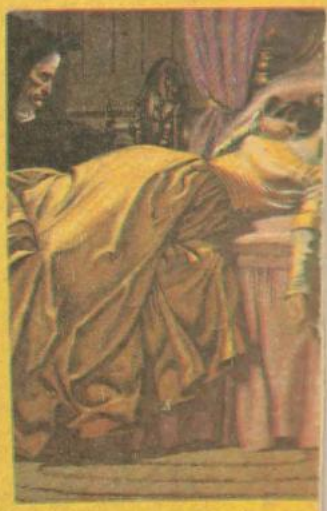

قومی ترانہ

پاک سَرزمین شاد باد　　کِشورِ حسین شاد باد
تُو نشانِ عزمِ عالیشان　　اَرضِ پاکستان
مرکزِ یقین شاد باد
پاک سَرزمین کا نظام　　قُوّتِ اُخوّتِ عوام
قوم، مُلک، سلطنت　　پائندہ تابندہ باد
شاد باد منزلِ مُراد
پرچمِ ستارہ و ہلال　　رہبرِ ترقّی و کمال
ترجمانِ ماضی، شانِ حال　　جانِ اِستقبال
سایۂ خدائے ذُوالجلال

14329

تاریخ اشاعت	ایڈیشن	طباعت	تعداد اشاعت	قیمت
فروری 1991	سوم	ہشتم	20,000	9.50